مسائل النکاح فی ضوء الفقہاء والرضا
فقاہت
امام احمد رضا رضی اللہ عنہ
مؤلف
ابو عکاشہ بن غلام سرور قادری
باہتمام
ابو خزیمہ عبد القیوم عاصم
محمد ندیم طاہر

مسائل النکاح فی ضوء الفقہاء والرضا

فقاہت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ

مؤلف

ابو عکاشہ بن غلام سرور قادری

باہتمام

ابو خزیمہ عبد القیوم عاصم

محمد ندیم طاہر

انتساب

راقم الحروف اپنی اس کاوش کو اپنی والدہ محترمہ، اور شیخ غلام نبی کی والدہ محترمہ اور والد علیم الدین اور بھائی غلام محمد اور بڑی صاحبزادی اور عثمان غنی کی خدمت میں ہدیۂ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔
اللہ تعالیٰ اس بظاہر مختصر لیکن ان شاء اللہ عزوجل اجر و ثواب کے اعتبار سے عظیم ترین خزانے کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے سب کی مغفرت فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اللہ عزوجل کے رحمت بے کنار سے امید واثق ہے کہ جب تک یہ کتاب پڑھی جاتی رہے گی اس کے وسیلے سے بھی ان کی قبور پر انوار وتجلیات اور رحمتوں کی بارش ہوتی رہے گی۔ ان شاء اللہ عزوجل

ابو عکاشہ بن غلام سرور قادری عفی عنہ

فہرست

چند کتبِ فقہ و فقہائے کرام کا مختصر تعارف

علامہ حصکفی

مفتیِ شام علاء الدین محمد بن علی بن علی صاحب درمختار، شیخ خیر الدین رملی کے شاگردِ رشید ہیں۔ علاؤ الدین ان کا لقب تھا۔ حصکفی کے نام سے ان کی شہرت ہے۔ ۶۳ سال کی عمر میں ۱۰۸۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

علامہ طحطاوی

علامہ فقیہ محدث سید احمد طحطاوی ایک زمانہ تک مصر کے مفتی رہے۔ درمختار کا حاشیہ بڑی تحقیق کے ساتھ لکھا۔ علامہ شامی نے ردالمحتار کی تصنیف کے وقت اس کو پیش نظر رکھا اور اکثر اس سے نقل کیا۔ ۱۲۴۳ ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔

محقق علی الاطلاق

علامہ امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابن ہمام کے نام سے مشہور ہیں۔ بقول سیوطی ۷۹۰ ہجری میں آپ پیدا ہوئے۔ اور ابن الہمام فرماتے تھے کہ میں معقولات میں کسی کی تقلید نہیں کرتا۔ کشف و کرامات میں یکتائے روزگار تھے۔ شب و روز عبادتِ خدا میں مصروف رہا کرتے تھے۔ اکثر آپ پر حالت اور کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی جیسا کہ باکمال سچے صوفیوں پر کیفیت و حالت طاری ہوتی ہے، مگر آپ فی الفور سنبھل جایا کرتے تھے اور لوگوں کے ساتھ درس و تدریس کے شغل میں مصروف ہو جایا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اس کا پتا بھی لوگوں کو نہ لگتا تھا۔ آپ جامع شریعت و طریقت تھے۔ علم اسرار، اور علم احکام دونوں علموں میں کامل و مکمل شیخ تھے۔ فتح القدیر جو کہ ہدایہ کی شرح ہے اس

کے کتاب الوکالت تک کے مصنف آپ ہی ہیں اس کے ساتھ ساتھ آپ علم الکلام میں بہت ماہر تھے جسکا اندازہ آپکی اس موضوع پر لکھی گئیں مؤلفات سے ہوتا ہے فقہاء میں انکوایک ممتاز مقام حاصل ہے، قاہرہ میں ۸۶۱ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔

علامہ تمرتاشی

شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ بن احمد تمرتاشی، مصنفِ تنویر الابصار ہیں۔ تمرتاش خوارزم میں موجود ایک گاؤں کا نام ہے جسکی نسبت سے آپکو تمرتاشی کہا جاتا ہے۔ آپ ابن نجیم مصری کے شاگرد تھے۔ ۶۵ سال کی عمر میں ۱۰۰۴ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔

علامہ زیلعی

علامہ فقیہ، ابومحمد فخر الدین زیلعی نے علم فقہ کی خوب اشاعت کی اور خلق اللہ کو آپ کی ذات سے بہت نفع پہنچا۔ آپ نے کنز الدقائق کی ایک شرح نہایت عمدہ مسمی بہ تبیین الحقائق تصنیف فرمائی۔ آپ کا انتقال ۷۴۳ ہجری میں ہوا۔

علامہ برہان الدین المرغینانی

امام علامہ فہامہ، فقیہ، محدث، مفسر، محقق، مدقق ابوالحسن برہان الدین علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل فرغانی مرغینانی حنفیوں کے پیشوا، مذہبِ حنفی کے حامی تھے۔ ۵۱۱ ہجری میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ان کی تصانیف بکثرت ہیں۔ مثلاً المنتقی، التجنیس اور المزید اور ہدایہ وغیرہ ہیں۔ سمرقند میں ان کا انتقال ۵۹۳ ہجری میں ہوا۔

علامہ فخر الدین

امام کبیر، علامہ فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی، حسن بن علی مرغینانی کے شاگرد ہیں۔ فتاوی قاضی خان آپ کی یادگار تصنیف ہے۔ جامع صغیر اور زیادات کی شرحیں بھی آپ نے لکھی ہیں۔

آپ کا انتقال ۵۹۲ ہجری میں ہوا۔

علامہ کردری

علامہ شیخ حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب کردری حنفی متوفّٰی ۸۶۷ ہجری ابن البزاز کے نام سے مشہور تھے، ان کی تصانیف میں سے فتاوی بزازیہ ہے، مصنف نے اس کا نام الجامع الوجیز رکھا ہے۔

علامہ رملی

علامہ خیر الدین بن احمد بن علی رملی حنفی متوفّٰی ۱۰۸۱ ہجری ہیں۔ ان کی تصانیف میں سے فتاوٰی خیر یہ ہے۔ آپکی یہ تصنیف فقہاء میں بہت معروف و مشہور ہے۔

فتاوٰی عالمگیری

یہ فتاوٰی موجودہ طباعت کے مطابق کل چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب بڑی مقبول ومتداول ہے۔ علماء ہند وعرب، فقہائے روم وشام اکثر اسی سے فتاوی لکھتے ہیں۔ بحکم سلطان الہند ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ، اکابر علمائے ہند نے بڑی بڑی کتابوں سے ضروری مسائل منتخب کر کے اس فتاوی کو جمع کیا۔ اور رئیس الجامعین مولانا شیخ نظام رحمہ اللہ تھے۔

علامہ شامی

سید محمد امین ابن عابدین الشامی ۱۱۹۸ ہجری میں پیدا ہوئے، بہت بڑے بزرگ، اللہ عزوجل کے ولی گزرے ہیں۔ آپ کی پرورش آپ کے والد ماجد حضرت عمر عابدین ابن شریف عبدالعزیز نے فرمائی۔ آپ علیہ الرحمہ نے بہت ہی کم عمر میں قرآن پاک حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ آپ کی تصانیف بے شمار ہیں۔ مثلاً ردالمحتار علی الدرالمختار، العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی

الحامدیہ، منحۃ الخالق علی بحر الرائق، نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: فاضل محقق مولانا امین الملۃ والدین محمد بن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب ردالمحتار حاشیہ درمختار نے اپنی کتاب جو کہ نفیس جلیل اس قابل ہے کہ اس کو حلقوں پر لکھا جائے اگرچہ خنجروں سے لکھا جاسکے۔ جس کا نام العقود والدریہ فی تنقیح الحامدیہ ہے، (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۹ ص ۵۴۸)۔ آپ کا وصال ربیع الثانی ۱۲۵۲ ہجری میں تقریباً ۵۴ سال کی عمر میں ہوا۔

اعلیٰ حضرت

اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت، مجدد مائۃ حاضرہ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی تیرہویں صدی کی واحد شخصیت تھی جو ختم صدی سے پہلے علم وفضل کا آفتاب فضل وکمال ہوکر اسلامیات کی تبلیغ میں عرب وعجم پر چھا گئی۔ اور چودھویں صدی کے شروع ہی میں پورے عالم اسلامی میں اس کو حق وصداقت کا منارہ نور سمجھا جانے لگا۔ ملتِ اسلامیہ کو اس کا اعتراف ہے کہ اس فضل وکمال کی گہرائی اور علم راسخ کے کوہِ بلند کو آج تک کوئی نہ پاسکا۔

پیدائش

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ بمطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء ہفتہ کے روز ہندوستان کے مشہور شہر بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ اور آپ کا پیدائشی اسم مبارک محمد رکھا گیا۔

علم فقہ میں اعلیٰ حضرت کا مقام

آپ کے علم وفضل اور خاص کر علمِ فقہ میں تبحر کا اعتراف تو انہوں نے بھی کیا ہے جنہیں مسلک ومشرب میں آپ سے اختلاف ہے۔ مثلاً ملک غلام علی، جو سید ابوالاعلیٰ مودودی کے معاوِن ہیں۔ لکھتے ہیں: حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کے بارے میں اب تک ہم لوگ سخت

غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں، ان کی بعض تصانیف وفتاوٰی کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے ہاں پائی وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے اور عشقِ خدا اور رسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے۔

وصال مبارک

یہ مخزنِ علم ومحسن اہلسنت ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ ہجری بمطابق ۱۹۲۱ء جمعۃ المبارک کے دن عین اذانِ جمعہ کے وقت اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

کتاب النکاح

نکاح کا معنی: نکاح اس عقد کو کہتے ہیں جو اس لئے مقرر کیا گیا ہو کہ مرد کو عورت سے جماع وغیرہ حلال ہو جائے۔

نکاح کے مستحبات: (۱) علانیہ ہونا (۲) نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا کوئی سا خطبہ ہو اور بہتر وہ ہے جو حدیث میں وارد ہوا (۳) مسجد میں ہونا (۴) جمعہ کے دن (۵) گواہان عادل کے سامنے (۶) عورت عمر، حسب، مال، عزت میں مرد سے کم ہو (۷) اور چال چلن اور اخلاق وتقویٰ وجمال میں بیش ہو، (۸) کنواری عورت سے اور جس سے اولاد زیادہ ہونے کی امید ہو نکاح کرنا بہتر ہے، (۹) سن رسیدہ اور بدخلق اور زانیہ سے نکاح نہ کرنا بہتر، (۱۰) عورت کو چاہئے کہ مرد دیندار، خوش خلق، مالدار سخی سے نکاح کرے فاسق بدکار سے نہیں اور یہ بھی نہ چاہئے کہ کوئی اپنی جوان لڑکی کا بوڑھے سے نکاح کر دے۔

نکاح کے الفاظ: نکاح کے الفاظ دو قسم کے ہیں ایک صریح یہ صرف دو لفظ ہیں "نکاح" و "تزویج" باقی الفاظ کنایہ ہیں، کنایہ کے ان الفاظ سے نکاح ہو سکتا ہے جن سے خود شے ملک میں آجاتی ہے ، مثلاً: ہبہ، تملیک، صدقہ، عطیہ، بیع شراء مگر ان میں قرینہ کی ضرورت ہے کہ گواہ بھی اسے نکاح سمجھیں (۳) نکاح میں خیار رویت، خیار عیب، خیار شرط مطلقاً نہیں۔

نکاح کی شرائط: نکاح کے لئے چند شرائط ہیں: عاقل ہونا، بالغ ہونا، گواہ ہونا یعنی ایجاب وقبول

دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے ہو، گواہ آزاد عاقل بالغ ہوں اور سب نے ایک ساتھ نکاح کے الفاظ سنے ہوں، ایجاب وقبول نکاح کے رکن ہیں پہلے جو کہے وہ ایجاب ہے اور اس کے جواب میں دوسرے کے الفاظ کو قبول کہتے ہیں، ایجاب وقبول کا ایک مجلس میں ہونا، ایجاب کے بعد فوراً قبول کرنا شرط نہیں جبکہ مجلس نہ بدلی ہو۔ قبول ایجاب کے مخالف نہ ہو۔ لڑکی بالغہ ہے تو اسکا راضی ہونا شرط ہے ولی کو یہ اختیار نہیں کہ اسکی رضا کے بغیر نکاح کر دے، کسی زمانہ آئندہ کی طرف نسبت نہ کی ہو نہ کسی شرط نا معلوم پر معلق کیا ہو مثلاً: میں نے تجھ سے آنے والے دن میں نکاح کیا یا میں نے نکاح کیا اگر زید آئے، ان صورتوں میں نکاح نہ ہوا، جب صریح الفاظ نکاح میں استعمال کیے جائیں تو عاقدین اور گواہوں کا انکے معنی جاننا شرط نہیں۔ نکاح کی اضافت کل کی طرف ہو یا ان اعضاء کی طرف ہو جن کو بول کر کل مراد لیتے ہیں تو اگر یہ کہا کہ فلاں کے ہاتھ، پاؤں یا نصف سے نکاح کیا صحیح نہ ہوا۔ (ملخصاً از "بہار شریعت")

{1} **قال العلامۃ الحصکفی** : اور غلبۂ شہوت کے وقت نکاح واجب ہوتا ہے (اس سے مراد بقول امام زیلعی کے ایسا شدید اشتیاقِ جماع ہے کہ اگر نکاح نہ کرے گا تو وقوعِ زنا کا خوف ہے کیونکہ محض اشتیاقِ جماع کو خوفِ مذکور لازم نہیں، "بحر") پس اگر نکاح کے بغیر زنا یقینی ہو تو نکاح فرض ہے، "نہایہ" (یعنی نکاح کے بغیر زنا سے بچنا ممکن نہ ہو کیونکہ جس کے بغیر ترک حرام تک رسائی نہ ہو وہ فرض ہوتا ہے اور "بحر" کا قول کہ "نکاح کے بغیر زنا سے احتراز ممکن نہیں"، ظاہر ہے کہ مسئلہ کی وہ صورت فرض کی گئی ہے جس میں نکاح کرنے والا روزے رکھنے پر قادر نہ ہو جو کہ زنا سے مانع ہیں لہٰذا اگر وہ روزے رکھنے پر قادر ہو تو نکاح فرض یا واجب عین نہ ہوگا بلکہ اسے اختیار ہوگا کہ نکاح کرے یا حرام یعنی زنا سے بچنے کا کوئی اور طریقہ اپنائے) اور یہ وجوب

وفرضیتِ نکاح اس صورت میں ہے جب وہ مہر ونفقہ پر قادر ہو ورنہ ترکِ نکاح میں گناہ نہیں، "بدائع" (یہ شرط دونوں قسموں یعنی نکاح واجب وفرض کی طرف راجع ہے۔ "بحر" میں ان دونوں قسموں میں ایک اور شرط کا اضافہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ جور وظلم کا ڈر نہ ہو، صاحبِ "بحر" نے فرمایا کہ عدمِ نکاح کی صورت میں خوفِ زنا، نکاح کی صورت میں جور وظلم کے خوف سے متعارض ہو تو ثانی کا اعتبار مقدم وراجح ہوگا چنانچہ اس صورت میں نکاح فرض نہیں بلکہ مکروہ ہوگا، کمال نے "فتح" میں اس کا افادہ فرمایا، شاید خوف جور کو خوفِ زنا پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہو کہ جور وظلم ایسا گناہ ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اور زنا سے باز رہنا حقوق اللہ سے ہے اور حقِ عبد بوقت تعارض حقُّ اللہ پر مقدم ہوتا ہے کیونکہ عبد محتاج ہے اور مولیٰ تعالیٰ غنی ہے، اھ) اور اس صورت میں نکاح مکروہ تحریمی ہوگا جبکہ ظلم کا خوف ہو اور اگر ظلم کا یقین ہو تو حرام ہے (1)۔

قال الرضا فی "فتاواہ": میں کہتا ہوں کہ: "بحر" کی بیان کردہ علت کی تائید کرتی ہے "ابن ابی الدنیا" اور ابوالشیخ کی وہ حدیث جس کو حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت فرمایا کہ ((اِیَّاکُم وَالْغِیْبَةَ فَاِنَّ الْغِیْبَةَ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا اِنَّ الرَّجُلَ قَدْ یَزْنِیْ وَیَتُوْبُ فَیَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِیْبَةِ لَایُغْفَرُ لَہٗ حَتّٰی یَغْفِرَ لَہٗ صَاحِبُہٗ))(2) غیبت سے بچو کیونکہ غیبت زنا سے سخت تر ہے، اس لئے کہ آدمی زنا کرتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا

---

(1) درمختار وردالمحتار، کتاب النکاح، ج۴، ص۷۲-۷۴۔ بریکٹ میں "ردالمحتار" کی عبارت ہے اور بریکٹ کے علاوہ "درمختار" کی عبارت ملخصاً لی گئی ہے

(2) جامع الاحادیث للسیوطی، الحدیث: ۹۳۱۰، ج۳، ص۳۹۰۔

ہے، اور غیبت کرنے والے کی مغفرت اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ وہ معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی ہے۔(1)

قال الرضا فی "فتاواہ": نکاح ثانی، مثل نکاح اول فرض، واجب، سنّت، مباح، مکروہ، حرام سب کچھ ہے صور واحکام کی تفصیل سُنیئے:

(۱) جس عورت کو اپنے نفس سے خوف ہو کہ غالباً اس سے شوہر کی اطاعت اور اُس کے حقوقِ واجبہ کی ادا نہ ہوسکے گی اسے نکاح ممنوع وناجائز ہے، اگر کرے گی گنہگار ہوگی یہ صورت کراہت تحریمی کی ہے۔

(۲) اگر یہ خوف مرتبہ ظن سے تجاوز کرکے یقین تک پہنچا جب تو اُسے نکاح حرام قطعی ہے۔

حکم: ایسی عورتوں کو نکاح اول، خواہ (نکاح) ثانی کی ترغیب ہرگز نہیں دے سکتے، بلکہ ترغیب دینی خود خلافِ شرع ومعصیت (گناہ) ہے کہ گناہ کا حکم دینا ہوگا، یہ عورتیں یا ان کے اولیاء اگر نکاح سے انکار کرتے ہیں انھیں انکار سے پھیرنے والا جاہل ومخالفِ شرع ہے۔

(۳) جنہیں اپنے نفس سے ایسا خوف نہ ہو انھیں اگر نکاح کی حاجتِ شدیدہ ہے کہ بے نکاح کے معاذ اللہ گناہ میں مبتلا ہونے کا ظنِ غالب ہے تو ایسی عورتوں کو نکاح کرنا واجب ہے۔

(۴) بلکہ بے نکاح معاذ اللہ، وقوعِ حرام کا یقین کُلی ہو تو اُنھیں فرض قطعی، یعنی جبکہ اُس کے سوا کثرتِ روزہ وغیرہ معالجات سے تسکین متوقع نہ ہو، ورنہ خاص نکاح فرض وواجب نہ

---

(1) فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح، ج ۱۲، ص ۲۹۳۔

ہوگا، بلکہ دفعِ گناہ (مقصود گناہ سے بچنا ہے چاہے) جس طریقہ سے ہو۔

حکم: ایسی عورتوں کو بیشک نکاح پر جبر کیا جائے، اگر خود نہ کریں گی وہ گنہگار ہونگی، اور اگر ان کے اولیاء اپنے حدِ مقدور تک کوشش میں پہلو تہی کریں گے تو وہ بھی گنہگار ہونگے، ایسی جگہ ترک وانکار پر بیشک انکار کیا جائے، مگر کتنا! صرف اتنا جو ترکِ واجب وفرض پر ہو سکتا ہے، نہ یہ جاہلانہ جبروتی حکم کہ جو انکار کرے کافر، جو روک دے کافر، جو نہ کرنے دے کافر، فرائض ادا کرنے یا اُنکی ادا سے باز رکھنے پر آدمی کافر نہیں ہوتا جب تک ایسے فرض کی فرضیت کا منکر نہ ہو جس کا فرض ہونا ضروریاتِ دین سے ہے، پھر ترکِ واجب وفرض پر جس قدر انکار وتشدد کر سکتے ہیں وہ بھی یہاں اس وقت روا (جائز) ہوگا جب معلوم ہو کہ اس عورت سے اطاعت واداۓ حقوقِ واجبہ شوہر کا ترک متیقن یا مظنون نہیں کہ ایسی حالت میں تو فرضیت ووجوب درکنار، عدمِ جواز وحرمت کا حکم ہے، پھر یہ بھی ثابت ہو کہ اس عورت کی حالتِ حاجت اس حد تک ہے کہ نکاح نہ کرے گی تو گناہ میں مبتلا ہو جانے کا یقین یا ظنِ غالب ہے، کہ بغیر اس کے وجوب اصلاً نہیں، اور جب کسی خاص عورت کے حق میں یہ امور بروجہ شرعی ثابت نہ ہوں تو مسلمان پر بدگمانی خود حرام، اور محض اپنے خیالات پر تارکِ فرض وواجب ٹھہرا دینا بیباک کا کام، پھر امرِ حاجت میں عورت کا اپنا بیان مقبول ہوگا کہ حاجتِ نکاح امر خفی ووجدانی ہے۔ جس پر خود صاحبِ حاجت ہی کو ٹھیک اطلاع ہوتی ہے، جب وہ بیان کرے کہ مجھے ایسی حاجت نہیں تو خواہی نخواہی اس کی تکذیب کی طرف کوئی راہ نہیں ہو سکتی، عُمر وغیرہ کا مظنہ سب جگہ ایک سا نہیں ہوتا، مزاج، عقل، حیا، خوف، اشغال، احوال، ہموم، افکار، صحبت، اطوار صدہا اختلافوں سے مختلف ہو جاتا ہے۔ جس کی تفصیل اہلِ عقل وتجارب پر خوب روشن ہے۔

(۵) اگر حاجت کی حالت اعتدال پر ہو یعنی نہ نکاح سے بالکل بے پروائی نہ اس شدت کا شوق کہ بے نکاح وقوعِ گناہ کا ظن بالیقین ہو ایسی حالت میں نکاح سنّت ہے مگر بشرطیکہ عورت اپنے نفس پر اطمینان کافی رکھتی ہو کہ مجھ سے ترکِ اطاعت اور حقوقِ شوہر کی اضاعت اصلاً واقع نہ ہوگی۔

(۶) اگر ذرا بھی اس کا اندیشہ ہو تو اس کے حق میں نکاح سنّت نہ رہے گا صرف مباح ہوگا بشرطیکہ اندیشہ حدِ ظن تک نہ پہنچے ورنہ اباحت جدا سرے سے ممنوع و ناجائز ہو جائے گا۔

حکم: بحالت سنّیت بیشک نکاح کی ترغیب بتاکید کی جائے، اور اس سے انکار پر سخت اعتراض پہنچتا ہے اسی قدر جتنا ترکِ سنت پر چاہیے، اور درصورتِ اباحت نہ نکاح پر اصلاً جبر کا اختیار نہ اس سے انکار پر کچھ اعتراض وانکار، کہ مباح کو شرع مطہر نے مکلّف کی مرضی پر چھوڑا ہے چاہے کرے یا نہ کرے، پھر انصاف کی میزان ہاتھ میں لیجئے تو عورتوں کے حق میں سنّیتِ نکاح بھی بہت ندرت سے ثابت ہوگی، ہزار میں ایک ہی ایسی نکلے گی جس کے لئے سنت کہہ سکیں، کیا کسی عورت کی نسبت خود وہ، یا اس کے اولیاء، یا یہ تشدد والے حضرات پورے طور پر ضامن ہو جائیں گے کہ اس سے نافرمانیِ شوہر یا اس کے کسی حق میں ادنیٰ تقصیر واقع ہونے کا اصلاً اندیشہ نہیں، ایسی بے معنی ضمانت وہی کر سکتا ہے جسے نہ مردوں کے حقوقِ عظیمہ پر اطلاع، نہ عورات کی عادات ونقصانِ عقل ودِین پر وقوف۔

کیا حدیث صحیح میں حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد سُنا کہ

((رأیتُ النار فلم اَرَ کالیوم منظراً قطّ افظع، ورأیتُ اکثر اَهلها النساء)).

میں نے دوزخ ملاحظہ فرمائی تو آج کی برابر کوئی چیز سخت وشنیع نہ دیکھی اور میں نے اہلِ دوزخ

میں عورتیں زیادہ دیکھیں۔

فقالوا: یارسول اللہ! صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ یعنی حضور! اس کا کیا سبب ہے؟

قال: ((بِکفرھنّ)) فرمایا: ان کے کفر کے باعث، قیل: ((یکفرن باللہ)) عرض کی گئی کیا اللہ عزوجل سے کفر کرتی ہیں؟ قال: ((یکفرن العشیر ویکفرن الاحسان)) فرمایا: شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان نہیں مانتی ہیں۔ ((لو اَحسنتَ الی احدٰھنّ الدھر، ثمّ رأت منک شیئاً، قالت: مارأیت منک خیراً قطّ)) اگر تو ان میں سے کسی کے ساتھ عمر بھر احسان کرے پھر ذرا سی بات خلافِ مزاج تجھ سے دیکھے، تو کہے میں نے تو کبھی تجھ سے کوئی بھلائی نہ دیکھی۔ اس (حدیث) کو شیخین نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

حدیث۲: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

((انّ المرأۃ خلقت من ضلع اعوج، لن تستقیم لک علی طریقۃ، فان استمتعتَ بھا وبھا عوج، وإن ذھبت تقیمھا کسرتھا، وکسرھا طلاقھا))۔

عورت ٹیڑھی پسلی سے بنی ہے ہرگز کسی راہ پر تیرے لئے سیدھی نہ ہوگی، اگر تو اس سے نفع لے تو اس کی کجی کے ساتھ نفع لے اور سیدھا کرنے چلے تو توڑ دے، اور اس کا توڑنا طلاق دینا ہے ۔اس کو امام مسلم وترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور اس کی مثل کو امام احمد، ابن حبان اور حاکم نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

حاصل یہ کہ پسلی ٹوٹ جائے گی، مگر سیدھی نہ ہوگی، عورت بھی بائیں پسلی سے بنی ہے، نہ نبھے تو طلاق دیدے، مگر ہر طرح موافق آئے یہ مشکل ہے۔

حدیث۳: ایک بی بی نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! میں عورتوں کی فرستادہ ہوں، حضور کی بارگاہ میں جن عورتوں کو خبر ہے اور جنہیں خبر نہیں، سب میری اس حاضری کی خواہاں ہیں، اللہ عزوجل مردوں، عورتوں سب کا پروردگار خدا ہے، اور حضور مردوں، عورتوں سب کی طرف اس کے رسول، اللہ عزوجل نے مردوں پر جہاد فرض کیا کہ فتح پائیں تو دولتمند ہو جائیں، اور شہید ہوں تو اپنے رب کے پاس زندہ رہیں، رزق پائیں، اور ہم عورتیں اُن کے کاموں کا انتظام کرنے والیاں ہیں، تو ہمارے لئے وہ کون سی طاعت ہے جو ثواب میں جہاد کے برابر ہو۔ فرمایا: ((طاعۃ ازواجھنّ بحقوقھم وقلیل منکنّ من یفعلہ)). شوہروں کی اطاعت اور اُن کے حق پہچاننا، اور اس کی کرنے والیاں تم میں تھوڑی ہیں۔

حدیث۴: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

((حاملات والدات مرضعات رحیمات باولادھن، لولامایأتین الٰی ازواجھن لدخل مصلیاتھن الجنۃ)). حمل کی سختیاں اٹھانے والیاں، دُودھ پلانے والیاں، جننے کی تکلیف جھیلنے والیاں، اپنے بچوں پر مہربانیں، اگر نہ ہوتی وہ تقصیر (کوتاہی) جو اپنے شوہروں کے ساتھ کرتی ہیں تو ان کی نماز پڑھنے والیاں سیدھی جنت میں جاتیں۔

تو سنّیت در کنار، اکثر عورتوں کے لئے حدیث اباحت ہی ثابت رہے، یہی بڑی بات ہے، پھر اُن کے انکار پر اعتراض اور نکاح پر اصرار کی کیا سبیل، نہ کہ اعتراض بھی معاذ اللہ تا حد اکفار اور اصرار بھی ہم پہلوئے اکراہ واجبار، ولہٰذا (اور اسی وجہ سے) احادیث میں وارد کہ حقوقِ شوہر اور ان کی شدت سن کر متعدد بیبیوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

سامنے عمر بھر نکاح نہ کرنے کا عہد کیا، اور حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا، مگر جاہل واعظین خصوصاً وہابیہ ہمیشہ خدا اور سول سے بڑھ کر چلا چاہتے ہیں جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حدیث ا: ایک زن خثعمیہ نے خدمتِ اقدس حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کی: یارسول اللہ! حضور مجھے سنائیں کہ شوہر کا حق عورت پر کیا ہے کہ میں زنِ بے شوہر (غیر منکوحہ) ہوں، اُس کے ادا کی اپنے میں طاقت دیکھوں تو نکاح کروں ورنہ یوں ہی بیٹھی رہوں، فرمایا:

((فانّ حقّ الزوج علی الزوجة، ان سألها نفسها وهی علی ظهر بعیرٍ ان لا تمنعه نفسها، ومن حقّ الزوج علی الزوجة ان لا تصوم تطوّعاً الا باذنه، فان فعلت جاعت، وعطشت، ولا یقبل منها، ولا تخرج من بیتها الا باذنه، فان فعلت لعنتها ملٰئكة السماء، وملٰئكة الارض، وملٰئكة الرحمة، وملٰئكة العذاب حتی ترجع)).

تو بیشک شوہر کا حق زوجہ پر یہ ہے کہ عورت کجاوہ پر بیٹھی ہو، اور مرد اُسی سواری پر اس سے نزدیکی چاہے تو انکار نہ کرے، اور مرد کا حق عورت پر یہ ہے کہ اس کے بے اجازت کے (شوہر کی اجازت کے بغیر) نفل روزہ نہ رکھے، اگر رکھے گی تو عبث (فضول میں) بھوکی پیاسی رہی، روزہ قبول نہ ہوگا، اور گھر سے بے اذن شوہر کہیں نہ جائے، اگر جائے گی تو آسمان کے فرشتے، زمین کے فرشتے، رحمت کے فرشتے، عذات کے فرشتے سب اُس پر لعنت کرینگے جب تک پلٹ کر آئے۔

یہ ارشاد، سن کر بی بی نے عرض کی: ((لا جرم لا اتزوّج ابداً)) ٹھیک یہ ہے کہ

میں کبھی نکاح نہ کرونگی۔

حدیث ۲: ایک بی بی نے دربارِ دُربار سیّد الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کی: میں فلاں دخترِ فلاں ہوں۔ فرمایا: میں نے تجھے پہچانا، اپنا کام بتا۔ عرض کی: مجھے اپنے چچا کے بیٹے فلاں عابد سے کام ہے۔ فرمایا: میں نے اُسے بھی پہچانا، یعنی مطلب کہہ۔ عرض کی: اس نے مجھے (نکاح کا) پیام دیا ہے۔ تو حضور ارشاد فرمائیں کہ شوہر کا حق عورت پر کیا ہے، اگر وہ کوئی چیز میرے قابو کی ہو، تو میں اُس سے نکاح کرلوں۔ فرمایا:

((من حقّه لو سال منخراه دما او قيحا، فلحسته بلسانها ما ادّت حقّه، لو كان ينبغي لبشرٍ اَن يسجد لبشرٍ لَامرت المرأة ان تسجد لزوجها اذا دَخل عليها بِما فضّله الله عليها)).

مرد کے حق کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ اگر اس کے دونوں نتھنے خون، یا پیپ سے بہتے ہوں، اور عورت اُسے اپنی زبان سے چاٹے تو شوہر کے حق سے ادا نہ ہوئی، اگر آدمی کا آدمی کو سجدہ روا (جائز) ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ مرد جب باہر سے آئے اس کے سامنے آئے، اسے سجدہ کرے کہ خدا نے مرد کو فضیلت ہی ایسی دی ہے۔ یہ ارشاد سن کر وہ بی بی بولیں:

((والذی بعثک بالحقّ لا اتزوّج ما بقیت الدنیا))۔ قسم اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا، میں رہتی دنیا تک نکاح کا نام نہ لوں گی۔

حدیث ۳: ایک صاحب اپنی صاحبزادی کو لے کر درگاہِ عالم پناہ حضور سیّد العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے، اور عرض کی: میری یہ بیٹی نکاح کرنے سے انکار رکھتی ہے، حضور والا صلوات اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: ((اطیعی اباک)) اپنے باپ کا حکم مان، اُس لڑکی

نے عرض کی: قسم اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا، میں نکاح نہ کروں گی جب تک حضور یہ نہ بتائیں کہ خاوند کا حق عورت پر کیا ہے۔ فرمایا:

((حقّ الزوج علي زوجته لو كانت به قرحة فلحستها، او انتثر منخراه صديدا او دما، ثم ابتلعته ما ادّت حقّه)). شوہر کا حق عورت پر یہ ہے: اگر اس کے کوئی پھوڑا ہو عورت اسے چاٹ کر صاف کرے، یا اس کے نتھنوں سے پیپ یا خون نکلے عورت اسے نگل لے تو مرد کے حق سے ادا نہ ہوئی۔ اس لڑکی نے عرض کی:

((والذی بعثک بالحقّ لا اتزوّج ابداً)) قسم اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا میں کبھی شادی نہ کروں گی۔

حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لا تنکحوھنّ الا باذنھن)) عورتوں کا نکاح نہ کرو جب تک ان کی مرضی نہ ہو۔ (1)

{2} قال العلامة الحصكفي: نکاح کا اعلان کرنا، اور اس سے پہلے خطبہ مسجد میں ہونا، اور جمعہ کا دن ہونا، اور نکاح کرنے والے (پڑھانے والے) کا صاحبِ رُشد ہونا مستحب ہے۔ (2)

قال الرضا فی "فتاواہ": رشد، علم و عمل دونوں کو شامل ہے۔ (3)

{3} قال العلامة الحصكفي: اگر کسی شخص کو کہا: "زَوِّجْنِیْ" تو میرا نکاح کر دے، یا

---

(1) فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح، ج ۱۲، ص ۲۹۱-۲۹۹، ملتقطاً۔

(2) درمختار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۷۵-۷۶۔

(3) فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح، ج ۱۱، ص ۱۸۹۔

کسی عورت کو کہا: "زَوِّجِیْنِیْ نَفْسَکِ" تو مجھ سے اپنا نکاح کر دے، یا اس کو کہا: "کُوْنِيْ اِمْرَأَتِیْ" تو میری بیوی ہو جا تو یہ کلمات ایجاب نہ ہوں گے بلکہ ضمناً توکیل ہو گی، بعض نے کہا کہ یہ ایجاب ہے اور "بحر" میں اسی کو ترجیح دی ہے۔(1)

قال العلامة الشامی : "ہدایہ" اور "مجمع" میں پہلے قول کو اپنایا ہے اور اس کو "فتح" میں محققین کی طرف منسوب کیا ہے، اور دوسرے قول پر صاحبِ "کنز" نے کہا ہے کہ یہی ظاہر ہے اور اس پر "درر" نے اعتراض کیا ہے کہ یہ علماء کے قول کے مخالف ہے اور اسکا جواب "بحر" اور "نہر" میں یہ دیا گیا ہے کہ "خلاصہ" اور "خانیہ" میں اس پر تصریح کی ہے اور "خانیہ" میں فرمایا کہ امر کا لفظ نکاح میں ایجاب ہوتا ہے اور خلع، طلاق، کفالہ اور ہبہ میں بھی ایجاب ہے اور "فتح" میں فرمایا کہ یہ احسن ہے کیونکہ ایجاب مفید لفظ ہے چاہے اس سے معنی کے تحقق کا قصد کیا جائے یا نہ کیا جائے اور یہ بات امر کے لفظ پر بھی صادق آتی ہے، پھر صاحب "فتح" نے فرمایا: اور ظاہر یہ ہے کہ اس (امر) کے توکیل ہونے کا اعتبار کرنا ضروری ہے ورنہ نکاح اور بیع کے مابین مطلوبہ فرق کا حصول باقی رہ جائیگا۔(2)

قال الرضا فی " الجد": یعنی اگر امر کا لفظ ایجاب کے لئے ہو تو۔

{4} **قال العلامة الشامی:** صاحب "فتح" نے فرمایا: اور ظاہر یہ ہے کہ امر کے توکیل ہونے کا اعتبار کرنا ضروری ہے ورنہ نکاح اور بیع کے مابین مطلوبہ فرق کا حصول باقی رہ جائیگا۔ اس طور پر کہ اگر مشتری "بعنیه بکذا" (فلاں چیز مجھے اتنے میں فروخت کر دے) کہے اور بائع اسکی

---

(1) درمختار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۷۹-۸۰۔

(2) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۸۰۔

بات کا جواب دیئے بغیر "بعت"(میں نے بیچی) کہے تو عقد تام نہ ہوگا۔(1)

قال الرضا فی " الجد ": اگرامر ایجاب کے لئے ہو تو بائع کا "بعت" کہنا قبول ہوگا، تو وہ تمام عقد کو لازم ہے، اس صورت کے برخلاف کہ جب امر توکیل کیلئے ہو، کیونکہ ایک ہی شخص عقدِ بیع میں دونوں طرفوں کا متولی نہیں ہوسکتا (اور نکاح میں ایک ہی شخص دونوں طرفوں کا متولی ہوسکتا ہے اس طرح نکاح اور بیع میں جو فرق مطلوب تھا حاصل ہوجائیگا)۔

{5} **قال العلامة الشامی :** "خلاصہ "میں ہے: اگر نکاح کے وکیل نے کسی کو کہا کہ تو اپنی لڑکی فلاں کو ہبہ کردے، تو باپ نے جواب میں "میں نے ہبہ کی" کہا، تو جب تک اس کے بعد وکیل "میں نے فلاں کے لیے قبول کی" نہ کہے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ کیونکہ وکیل از خود دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا۔(2)

قال الرضا فی " الجد ": اس کی انتہا یہ ہی ہے کہ یہ توکیل ہے جو فضولی سے صادر ہوئی ہے کیونکہ جب نکاح کا وکیل دوسرے کو خود وکیل نہیں بنا سکتا تو دوسرا فضولی قرار پائے گا، پس جو "بحر" کے کتاب البیوع میں کہا ہے کہ وہ امور جن میں توکیل جائز ہے اگر ان امور کو فضولی از خود سر انجام دے تو یہ امور موقوف رہیں گے مگر یہ کہ کسی شرط کے ساتھ خریدے، اھ(3)، اس کا ظاہر یہ ہی ہے کہ اسکی اجازت پر موقوف ہو کر منعقد ہوجائیگا یا پھر نکاح کے منعقد نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ نکاح نافذ نہ ہوگا ورنہ اس کی صحیح علت وہ ہی ہے جو علامہ مقدسی کے حوالے سے

---

(1) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج۴، ص۸۰۔

(2) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج۴، ص۸۰۔

(3) بحرالرائق، کتاب البیوع، فصل فی بیع الفضولی، ج۶، ص۲۵۱، ملتقطاً۔

آئے گی۔

ثم قال الرضا فی "الجد": یہ اس بات پر نص ہے کہ لفظ امر توکیل ہے، اگر ایجاب ہوتا تو اسکے بعد وکیل کے قبول کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

وقال الرضا فی "فتاواہ": مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس پر کوئی معترض یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ جب نکاح کا وکیل دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا تو دوسرا فضولی قرار پائے گا، اور فضولی کا عقد نافذ نہیں ہوتا اگرچہ عقد کی حد تک ہوجاتا ہے تو یہاں ''منعقد نہ ہوگا'' کا معنی ''نافذ نہ ہوگا'' ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ فضولی کو نکاح کردینے کا اختیار نہ ہونے کے باوجود اگر وہ نکاح کردے تو اس کا نفاذ موقوف رہتا ہے تو یہاں بھی وکیل کی توکیل موقوف ہوکر نافذ کرنے والے کی اجازت سے نافذ ہوجائے گی، "بحر" کے کتاب البیوع میں کہا ہے کہ فقہائے کرام کے بیان کردہ جزئیات سے ظاہر ہے کہ وہ امور جن میں توکیل جائز ہے اگر ان امور کو فضولی از خود سر انجام دے تو یہ امور موقوف رہیں گے مگر یہ کہ کسی شرط کے ساتھ خریدے اھ،(1) تو ظاہر ہے کہ وکیل بنانا بھی ان امور میں سے ہے جن میں توکیل جائز ہے، تو ظاہر ہوا یہاں بھی فضولی کا تصرف جائز ہونا موقوف ہوگا، اگر وکیل کی قبولیت کے بغیر باپ کے ''دے دی'' کہنے سے بالکل نکاح نہ ہونا مراد ہو تو پھر اس کی واضح وجہ وہ ہے جس کو علامہ مقدسی نے بیان فرمایا ہے کہ وکیل کا لڑکی کے باپ کو ''اپنی بیٹی فلاں کو دے'' کہنا امر اور طلب ہے جو کہ مستقبل کا صیغہ ہے اور فی الحال تحقق مراد نہیں، لہٰذا عقد تام نہ ہوگا، اس کے خلاف ہے وہ صورت جس میں خود مرد نے کہا کہ ''تو مجھ سے اپنی لڑکی کا نکاح کردے'' تو یہاں منگنی وغیرہ کے بعد، یہ کلام اثبات

(1) بحر الرائق، کتاب البیوع، فصل فی بیع الفضولی، ج ٦ ص ٢٥١، ملتقطاً۔

وتحقق میں ظاہر ہے اور یہی ایجاب ہوتا ہے اھ، "بحر" میں "ظہیریہ" سے نقل میں اسی وجہ کو معین کرتے ہوئے کہا کہ اگر ایک نے کہا کہ "تو اپنی بیٹی میرے بیٹے کو دے" دوسرے نے کہا "میں نے دی" تو اس وقت نکاح صحیح نہ ہوگا بلکہ لڑکے کے باپ کو اس کے بعد "میں نے قبول کی" کہنا ضروری ہوگا، اھ (1)۔ تو یہاں لڑکے کے باپ کے بارے میں یہ خیال کرنا درست نہیں کہ یہ وکیل بنانے کا مالک نہیں ہے۔ (2)

{6} **قال العلامة الشامی**: "بحر" میں "فتح" کے حوالے سے مذکور ہے کہ نکاح میں بھاؤ لگانا نہیں ہوتا کیونکہ نکاح کئی مقدمات (منگنی وغیرہ) اور آمد ورفت کے بعد ہوا کرتا ہے تو امر (کنایہ الفاظ) ایسے موقع پر نکاح کو ثابت کرنے کیلئے ہوتے ہیں۔ (3)

قال الرضا فی "الجد": لہٰذا لفظ امر ایجاب ہوگا۔

{7} **قال العلامة الشامی**: تو کنایہ الفاظ ایسے موقع پر نکاح کو ثابت کرنے کیلئے ہوتے ہیں بخلاف بیع کے۔ (4)

قال الرضا فی "الجد": یعنی عادۃً نکاح سے پہلے منگنی وغیرہ مقدمات ہو چکے ہوتے ہیں تو انکے بعد الفاظ مجلس عقد کو مساومت (بھاؤ لگانے) پر محمول نہیں کر سکتے بخلاف بیع کے

---

(1) بحر الرائق، کتاب النکاح، ج ۳، ص ۱۴۵۔

(2) فتاوی رضویہ، کتاب النکاح، ج ۱۱، ص ۱۶۶-۱۶۷۔

(3) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۸۰۔

(4) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۸۰۔

کہ نہ وہاں ایسا تقدم نہ اس کے لئے کوئی مجلس قرینۂ قصدِ عقد، پس اسے مساومت پر محمول کر سکتے ہیں۔

{8} **قال العلامة الشامی** : لفظِ مضارع حال کیلئے وضع کیا گیا ہے اور یہی اصح ہے۔(1)

قال الرضا فی " الجد": "خیریہ" میں ہے: صیغۂ مضارع حقیقۃً استقبال کے لئے ہے جیسا کہ صاحبِ "محیط" نے صراحت کی ہے۔(2)

{9} **قال العلامة الحصکفی** : اگر کسی شخص نے دوسرے کو کہا: "ھل اعطیتنیھا" (کیا تو نے اپنی بیٹی مجھے دی؟) تو دوسرے نے کہا: میں نے دی تو اگر یہ مجلس نکاح کی ہے تو نکاح ہوگا اور اگر مجلس منگنی کی ہے تو منگنی ہوگی۔(3)

قال الرضا فی " الجد": "شرح طحاوی" کے حوالے سے یہ فرع گزر چکی ہے، اور "فتح" میں اسی پر اعتماد کیا ہے، عنقریب ہم مسئلۂ استفہام کی تحقیق ذکر کریں گے۔

{10} **قال العلامة الحصکفی** : اگر کسی عورت کو "یا عرسی" (اے میری دلہن) کہا تو اس عورت نے "لبیک" (میں حاضر ہوں) کہا تو نکاح منعقد ہو جائیگا۔(4)

قال الرضا فی " الجد": اور "بزازیہ" میں اسی قول پر اکتفا کیا ہے۔(5)

---

(1) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج۴، ص۸۱۔

(2) فتاوی خیریہ، کتاب الطلاق، ص۳۶۔

(3) درمختار، کتاب النکاح، ج۴، ص۸۲۔

(4) درمختار، کتاب النکاح، ج۴، ص۸۲۔

(5) "شامی"، جلد۴، ص۸۲ پر ہے کہ مرد نے عورت کو دلہن کہہ کر پکارا عورت نے جواب میں "لبیک" کہا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

{11} قال العلامة الشامی : بالفعل قبول کرنے کے ساتھ نکاح منعقد نہ ہوگا جب تک زبان سے نہ کہے: "قبلت" بیع کے برخلاف کہ یہ تعاطی کے ساتھ منعقد ہو جائیگی اور نکاح خطر کی وجہ سے منعقد نہ ہوگا، مگر بالفعل فضولی کے نکاح کو جائز قرار دینے سے نکاح منعقد ہو جائیگا۔ (1)

قال الرضا فی " الجد": کیونکہ یہاں فضولی کی جانب سے قول موجود ہے۔

{12} قال العلامة الحصکفی : مختار قول پر محض اقرار سے نکاح نہ ہوگا، "خلاصہ" جیسا کہ کوئی شخص کہے کہ یہ میری عورت ہے تو اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا کیونکہ اقرار ثابت شدہ چیز کے اظہار کا نام ہے اور یہ انشاء نہیں ہوتا۔ (2)

قال العلامة الشامی : یہ اس قول کے منافی نہیں ہے جسکی انہوں نے صراحت کی ہے۔ (3)

قال الرضا فی " الجد ": میں کہتا ہوں: انکا یعنی صاحبِ درقول: "لاینعقد بالاقرار" (اقرار کے ساتھ نکاح منعقد نہیں ہوتا) اس قول کے منافی نہیں ہے، جس کی علمائے کرام نے صراحت کی ہے: "انہ یثبت بالتصادق" (کہ مرد وعورت کی آپس میں خاوند بیوی ہونے کی تصدیق سے نکاح ثابت ہو جائیگا) انکی مراد یہ ہے کہ حکمِ قضاء میں ایک دوسرے کی تصدیق سے نکاح ثابت ہو جاتا ہے اور دیانۃً محض اقرار سے نکاح نہ ہوگا۔

---

(1) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۸۳۔

(2) درمختار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۸۴۔

(3) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۸۴۔

رسالۃ الرضا

عُبَابُ الْاَنْوَارِ اَنْ لَّا نِكَاحَ بِمُجَرَّدِ الْاِقْرَارِ (۱۳۰۷ھ)

(محض اقرار کی بنیاد پر نکاح نہ ہونے کے بیان میں انوار کی موج)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال: (۱) زید نے ہندہ سے جو اپنے فعل شنیع قبیح سے تائب ہوئی، غیر ضلع میں جا کر نکاح کیا تا کہ کوئی مخل اور مانع اس کار خیر کا نہ ہو، اہل ضلع نے جب ان سے استفسار کیا کہ تمہارا نکاح ہوا ہے؟ تو انہوں نے یہ پاسخ دیا کہ اس قدر مہر پر ہمارا نکاح ہوا ہے، آیا یہ صورتِ نکاح صحیح ہے؟

(۲) اگر زید نے اقرار کیا کہ یہ میری بی بی ہے اور ہندہ نے بیان کیا کہ یہ میرا خاوند ہے یہ قیل وقال محض شہود میں (یہ باہم اقرار و گفتگو گواہوں کی موجودگی میں) بیان کی گئی، کیا ان الفاظ سے انعقاد نکاح ہو جاتا ہے، اس صورت میں ذکر مہر نہیں آیا، بعد توفیق و تطبیق روایات کے جواب مزین بمہر و دستخط فرما کر للہ عطا فرمایا جائے تا کہ آئندہ کسی جاہل کو مجال مقال باقی نہ رہے۔

الجواب

پس میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے اور تحقیق کی بلندی تک پہنچنا اسی کی مدد سے ہے:

(۱) اس میں شک نہیں کہ حکم قضا میں نکاح تصادق مرد و زن سے ثابت ہو جاتا ہے یعنی جب وہ دونوں اقرار کریں کہ ہم زوج و زوجہ ہیں یا باہم ہمارا نکاح ہو گیا ہے یا اور الفاظ جو اس

معنی کو مودی ہوں تو بلا شبہہ انھیں زوج وزوجہ جانیں گے اور قضاءً تمام احکام زوجیت ثابت ہوں گے۔

(۲) بلکہ عند الناس اس سے بھی کم تر امر ثبوت نکاح کو کافی ہے جب مرد وزن کو دیکھے مثل زن وشو ایک مکان میں رہتے اور باہم انبساط زن وشوئی رکھتے ہیں تو ان پر بدگمانی حرام، اور ان کے زوج وزوجہ ہونے پر گواہی دینی جائز، اگر چہ عقدِ نکاح کا معائنہ نہ کیا ہو۔(1)

"ہدایہ"، "ہندیہ" وغیرہما۔

اور "قرۃ العیون" میں "درر" کے حوالے سے ہے کہ جس نے مرد وعورت کو خاوند بیوی کی طرح بے تکلف معاملات کرتے دیکھا اس کو جائز ہے کہ مرد کے لیے اس عورت کے بیوی ہونے کی شہادت دے۔(2)

اسی طرح تسامع بھی سامعین کے نزدیک اثبات نکاح کو بس ہوتا ہے یعنی جب ان کا زوج وزوجہ ہونا لوگوں میں مشہور ہو تو انھیں یہی سمجھا جائے گا، اور زوجیت پر شہادت روا (جائز) ہوگی اگر چہ خود ان کی زبان سے اقرار نہ سنا ہو، جیسا کہ "درمختار" اور عام کتب میں اور "قرۃ العیون" میں "عمادیہ" سے منقول کہ نکاح کے معاملہ میں شہرت کی بنا پر بغیر تحقیق شہادت جائز ہے حتی کہ ایک شخص کو ایک عورت کے ہاں آتے جاتے دیکھا اور لوگوں سے معلوم ہوا کہ یہ عورت اس شخص کی بیوی ہے تو اس کو جائز ہے کہ وہ اس عورت کے بارے میں اس شخص کی

---

(1) ہدایہ، کتاب النکاح، ج۲، ص۱۲۰۔

فتاویٰ ہندیہ، ج۳، ص۴۵۷-۴۵۸۔

(2) قرۃ عیون الاخیار، ج۱۱، ص۱۲۵۔ (تکملہ ردالمحتار)

بیوی ہونے کی شہادت دے اگر چہ اس نے ان کا نکاح نہ دیکھا ہو۔ (1)

توان کا باہم تصادق بدرجۂ اولیٰ مثبت نکاح،

"فتاوی شامی" میں ہے: ابوسعود علامہ حانوتی سے روایت کرتے ہیں کہ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ مرد وعورت کی آپس میں خاوند بیوی ہونے کی تصدیق سے نکاح ثابت ہو جائے گا اس سے مراد یہ ہے کہ قاضی اس نکاح کو ثابت قرار دے گا اور اس کو نافذ رکھے گا، اھ ملخصاً۔ (2)

(۳) پس ایسی صورت میں واجب ہے کہ انھیں زوج وزوجہ ہی تصور کیا جائے گا جو خواہی نخواہی ان کی تکذیب کرے گا اور بدگمانی کے ساتھ پیش آئے گا مرتکب حرام قطعی ہوگا بااین ہمہ حکم قضا اور ہے اور امر دیانت اور چیز، اگر وہ اپنے اظہار واخبار میں حقیقۃً سچے ہوں یعنی واقع میں ان کے باہم نکاح ہولیا ہے تو عند اللہ بھی زوج وزوجہ ہیں ورنہ مجرد ان الفاظ سے جبکہ بطور اخبار بیان میں آئے ہوں نکاح منعقد نہ ہوگا وہ بدستور اجنبی واجنبیہ رہیں گے، نکاح جن امور وافعال کو ثابت وحلال کرتا ہے دیانۃً ان کے لیے اصلاً ثابت وروا نہ ہوں گے کہ اس تقدیر پر یہ الفاظ کوئی عقد وانشا نہ تھے محض جھوٹی خبر تھی اور جھوٹی خبر دیانۃً باطل وبے اثر۔

(۴) **اقول:** علماء تصریح فرماتے ہیں: اگر شوہر نے اقرار طلاق کیا کہ میں اسے طلاق دے چکا ہوں اور واقع میں نہ دی تھی تو وہ قضاءً طلاق ہوگئی مگر دیانۃً ہرگز نہ ہوگی کہ اس کا یہ قول طلاق دینا نہ تھا بلکہ طلاق غیر واقع کی جھوٹی خبر دینا تھا۔

"حاشیۂ علامہ طحطاوی" میں ہے: طلاق کا جھوٹا اقرار قاضی کے ہاں طلاق قرار پائیگا عند اللہ

---

(1) درمختار، ج ۱۱، ص ۱۳۳۔

(2) ردالمحتار، ج ۴، ص ۸۴۔

نہیں۔(1)

"فتاوی خیریہ" میں ہے: ایک شخص نے اپنی مدخولہ بیوی کو ایک رجعی طلاق دی تو اس سے پوچھا گیا کہ تو نے اپنی بیوی کو کتنی طلاقیں دی ہیں، جواب میں اس نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔ تو عنداللہ ایک ہی رجعی طلاق ہوگی جو اس نے دی ہے اور عنداللہ اس کو عدت کے دوران رجوع کا حق ہے۔(2)

تو جب اقرار خلاف واقع سے عنداللہ طلاق واقع نہیں ہوتی، نکاح بدرجۂ اولیٰ منعقد نہ ہوگا کہ طلاق سبب تحریم فرج ہے اور نکاح سببِ تحلیل اور امر فرج میں احتیاطِ جلیل، ولہذا علماء متون وشروح وفتاوی میں تصریح فرماتے ہیں کہ مجرد اقرارِ مرد وزن سے نکاح ہرگز منعقد نہیں ہوتا، اسی پر "وقایہ" و "نقایہ" و "اصلاح" و "ملتقی" میں کہ سب اعاظم متون معتبرۂ مذہب سے ہیں جزم فرمایا، اسی پر "کتاب البیہقی"، و "فتاوی اہل سمرقند" وغیرہما میں اقتصار کیا اسی کو "شرح جصاص" و "مختارات النوازل" و "فتاوی خلاصہ" و "خزانۃ المفتین" و "مختار الفتاوی" و "ایضاح الاصلاح" و "جامع الرموز" میں مذہب مختار بتایا، اسی کو "تنویر الابصار" و "درمختار" میں مقدم رکھ کر ضعفِ مخالف کی طرف اشارہ فرمایا، اسی کو "فتاوی ظہیریہ" و "فتاوی عالمگیریہ" میں صحیح کہا، اسی پر "جواہر اخلاطی" میں ان دونوں لفظ فتویٰ یعنی مختار و صحیح کو جمع کر کے تیسرا لفظ آکد واقویٰ یعنی "علیہ الفتوی" اور زائد کیا، علامہ حانوتی و سید ابو السعود کی عبارتیں ابھی گزریں باقی نصوص بالتلخیص یہ ہیں "وقایۃ الروایہ" و "مختصر الوقایہ" میں ہے: گواہوں کے سامنے مرد وعورت

---

(1) طحطاوی علی درمختار، کتاب الطلاق، ج۲،ص۱۰۶۔

(2) فتاویٰ خیریہ، کتاب الطلاق، ص۳۸۔

کا ''مازن وشوئیم'' (ہم بیوی خاوند ہیں) کہنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

شرح نقایہ "قہستانی" میں ہے: مذہب مختار پر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ (1)

متن وشرح علامہ ابن کمال وزیر میں ہے: نکاح منعقد نہ ہوگا جب انہوں نے کہا کہ ہم بیوی خاوند ہیں، کیونکہ نکاح، معاملہ کو قائم کرنے (یعنی ثابت کرنے) کا نام ہے اور مرد وعورت کا یہ اقرار، اظہار ہے اور اظہار اثبات نہیں ہے اس کو انہوں نے "تخییر" میں ذکر کیا ہے اور "مختارات النوازل" میں ہے کہ یہی مختار مذہب ہے۔

متن علامہ ابراہیم حلبی میں ہے: اگر انہوں نے گواہوں کے سامنے کہا کہ ہم بیوی خاوند ہیں تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ (2)

"خانیہ" میں ہے: بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ کسی مرد وعورت میں پہلے نکاح نہیں ہے اب انہوں نے بالاتفاق نکاح کا اقرار کرلیا تو اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا کیونکہ اقرار پہلے ثابت شدہ چیز کی خبر ہوتی ہے جبکہ اقرار سے قبل ان کا نکاح نہیں تھا، اسی طرح خرید وفروخت کا معاملہ ہے کہ دو فریقوں نے بیع کا اقرار کیا حالانکہ پہلے بیع نہ تھی تو اس اقرار سے بیع منعقد نہ ہوگی۔ (3)

اسی ("خانیہ") میں ہے: "نوازل" میں مذکور ہے کہ مرد وعورت نے گواہوں کے سامنے یہ اقرار فارسی میں کیا کہ ''ہم بیوی خاوند ہیں'' تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر مرد

---

(1) جامع الرموز، کتاب النکاح، ج۱، ص۴۴۵۔

(2) ملتقی الابحر، کتاب النکاح، ج۱، ص۴۶۹۔

(3) فتاویٰ قاضی خان، کتاب النکاح، ج۱، ص۱۵۱۔

نے ایک عورت کے بارے میں کہا کہ یہ میری بیوی ہے اور اس عورت نے بھی کہا کہ یہ میرا خاوند ہے تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔(1)

"فتاوی امام علامہ حسین بن محمد سمعانی" میں ہے: مرد وعورت نے گواہوں کے سامنے کہا کہ ہم بیوی خاوند ہیں تو نکاح منعقد نہ ہوگا، یہی مختار ہے، کیونکہ نکاح اثبات کا نام ہے، اور اقرار اثبات نہیں ہوتا بلکہ اظہار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے کسی دوسرے کے لیے اپنے مال کا جھوٹا اقرار کیا تو دوسرے کے لیے ملکیت ثابت نہ ہوگی، خ (یعنی "خلاصہ")

اگر کسی مرد نے کسی عورت کے متعلق کہا یہ میری بیوی ہے اور عورت نے کہا یہ میرا خاوند ہے، تو گواہوں کے سامنے اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا کیونکہ اقرار پہلے سے موجود چیز کے بارے میں خبر ہوتی ہے جبکہ یہاں پہلے نکاح موجود نہیں ہے، س ("فتاوی اہل سمرقند") ملخصاً۔(2)

متن مولیٰ غزی وشرح محقق علائی میں ہے: محض اقرار سے نکاح نہ ہوگا مختار قول پر، "خلاصہ"، جیسا کہ کوئی شخص کہے کہ یہ میری عورت ہے، تو اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا کیونکہ اقرار ثابت شدہ چیز کے اظہار کا نام ہے اور یہ انشاء نہیں ہوتا، الخ۔ اسکی مکمل بحث عنقریب آئیگی۔

"فتاویٰ ہندیہ" میں عبارت "خلاصہ "ھو المختار (یہی مختار ہے) تک نقل کی، پھر لکھا: اگر کسی نے گواہوں کے سامنے کہا یہ میری بیوی ہے اور عورت نے کہا کہ یہ میرا خاوند ہے

---

(1) فتاویٰ قاضی خان، کتاب النکاح، ج۱، ص۱۵۲۔

(2) خزانۃ المفتین، کتاب النکاح، ج۱، ص۷۶۔ (قلمی نسخہ)

حالانکہ ان کا پہلے نکاح نہیں تھا، تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے جبکہ صحیح یہی ہے کہ نکاح نہ ہوگا، " ظہیریہ " میں اسی طرح ہے، اور جصاص کی شرح میں ہے کہ اگر قاضی نے نکاح کا فیصلہ دیا یا مرد وعورت کو گواہوں نے کہا کہ کیا تم نے ان الفاظ کو نکاح بنادیا تو انہوں نے جواب میں ہاں کہہ دیا تو مختار یہ ہے کہ نکاح منعقد ہوجائیگا، "مختار الفتاوی" میں ایسے ہی ہے۔ (1)

(۵) اقول: قاضی کے فیصلے کی صورت میں نکاح ہوجانے کی وجہ یہ ہے کہ حکم قاضی رافعِ خلاف ہے اور قضا ظاہرا اور باطنا نافذ ہوتی ہے اور دوسری صورت میں انعقاد کی وجہ یہ ہے کہ جواب، سوال پر مشتمل ہوتا ہے تو سوال میں نکاح بنانے کا ذکر ہے تو جواب میں بھی بنانے کے ذکر سے نکاح کا انشاء ہوگیا، جیسا کہ "فتح" اور "در" وغیرہما میں ہے۔

"فتاویٰ علامہ برہان الدین ابراہیم بن ابی بکر بن محمد اَخلاطی حسینی" میں ہے: دونوں نے گواہوں کے سامنے اقرار کیا کہ ہم بیوی خاوند ہیں تو اس سے نکاح نہ ہوگا یہی مختار ہے، مرد نے گواہوں کے سامنے کہا یہ میری بیوی ہے اور عورت نے بھی گواہوں کے سامنے کہا یہ میرا خاوند ہے تو اس سے نکاح نہ ہوگا جبکہ پہلے نکاح نہ تھا یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ (2)

بالجملہ اخبار وانشا کا تباین بدیہی تو ارادۂ اخبار ارادہ منافی اور ارادۂ منافی عقد کا نافی۔

(۶) اقول: میری اس تقریر سے اس شبہ کا ازالہ ہوگیا جس میں کہا گیا کہ نکاح تو ان امور میں سے ہے جن میں مذاق اور قصد برابر ہیں لہذا اس میں قصد اور ارادہ کی ضرورت نہیں حتی

---

(1) فتاوٰی ہندیہ، کتاب النکاح، ج ۱، ص ۲۷۲۔

(2) جواہر الاخلاطی، کتاب النکاح، ص ۳۷۔

کہ جب مرد وعورت نے ایجاب وقبول کے کلمات بول دیئے اگر چہ مذاق یا جبر سے کہے ہوں تو نکاح ہو جائے گا اس کی صحت کے لیے صرف الفاظ کی ادائیگی کافی ہے اگر چہ قصد نہ بھی ہو (لہٰذا بصورتِ اقرار نکاح صحیح ہونا چاہئے) اس شبہ کے ازالہ کی وجہ یہ ہے کہ قصد نہ ہونا اور بات ہے اور نکاح کے خلاف کسی محتمل لفظ کا قصد کرنا اور بات ہے، ان دونوں مین بڑا فرق ہے، وہ امور جو قصد کے بغیر ہو جاتے ہیں وہ پہلی صورت یعنی قصد نہ ہونے کی صورت میں صحیح ہو جاتے ہیں۔ مگر کسی مخالف چیز کے قصد سے وہ صحیح نہیں ہوتے۔ آپ دیکھئے کہ طلاق کا لفظ بغیر ارادہ کے بولا جائے تو طلاق ہو جاتی ہے لیکن اگر یہی لفظ طلاق بول کر کسی دوسرے معنی کا ارادہ کیا جائے مثلاً طلاق بول کر باندھے ہوئے کو کھولنا مراد لیا جائے یا انت طالق کہہ کر پہلی دی ہوئی طلاق کی سچی یا جھوٹی خبر اور حکایت کا قصد وارادہ کیا جائے تو دیانۃً یعنی عند اللہ طلاق نہ ہوگی جیسا کہ فقہاءِ کرام نے اس کو واضح بیان کیا ہے۔ اس فرق کو محفوظ کرو کیونکہ یہ تحقیق قابل قبول ہے۔ اگر چہ یہ قدرے بعض بڑی شخصیات پر مخفی رہا ہے، تاہم یہ بیان صریح الفاظ کے متعلق ہے لیکن کنایہ کے الفاظ بہر حال نیت کے محتاج ہیں، جیسا کہ طلاق وعتاق میں صریح وکنایہ کا فرق موجود ہے۔

اور شک نہیں کہ ظاہراً عوام ان الفاظ سے ارادۂ انشاء (انشاء مراد لینے) کو جانتے بھی نہ ہوں گے بلکہ جو ان کا مفہوم متبادر ہے یعنی اخبار وہی ان کا مراد ومقصود ہوگا اور سامعین بھی انھیں سن کر یہی سمجھیں گے تو جبکہ واقع میں اس سے پہلے نکاح نہ ہوا تو صرف یہ سوال وجواب واخبار غلط کیونکر انھیں عند اللہ زوج وزوجہ بنا سکتے ہیں، یہ غیر معقول ہے اور قبول کر لینے کے قابل نہیں۔

(۷) اقول: بحمد اللہ تعالیٰ "تنویر" اور "در" میں جو "ذخیرہ" سے نقل کیا گیا جہاں

انہوں نے اقرارِ نکاح کو مختار قول کے مطابق عدم نکاح قرار دیا جیسا کہ آپ نے سنا اور اس کے بعد یہ کہا کہ بعض نے کہا ہے کہ یہ اقرار گواہوں کے سامنے ہو تو نکاح صحیح ہے اور اقرار کو انہوں نے انشاء قرار دیا ہے اور "ذخیرہ" کے حوالے سے اس کو اصح کہا اس نقل کا ضعف واضح ہو گیا تو غور کرو۔

اولاً اس لیے کہ (شامی اور طحطاوی رحمہما اللہ) دونوں قابل احترام حضرات نے اس کے ضعف پر کئی وجوہ سے اشارہ فرمایا، اور بیشک مصنف (صاحب "در") نے پہلے قول یعنی عدم انعقاد کو پہلے ذکر اور دوسرے کو "قیـــل" کے ساتھ ذکر کیا ہے اور مؤلف یعنی صاحب "ذخیرہ" نے اگرچہ دونوں قولوں کو ذکر کیا لیکن وجہ اور دلیل صرف پہلے قول کی ذکر کی جو کہ قابل اعتماد ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ یہ قاعدہ "عقود الدریہ" وغیرہا میں بیان کیا ہے، غور کرو۔

(۸) ثانیاً اس لیے کہ میں نے جو وجوہِ ضعف آپ کو بیان کیے ہیں اگر آپ نے غور کیا ہو تو اس نقل کے ضعف کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں مثلاً: اولاً یہ کہ میں نے اور دیگر علمائے کرام نے جو کلمات ذکر کیے ہیں کہ اقرار سے نکاح نہیں ہوتا اور اس پر جو دلائل پیش کیے گئے وہ ناقابل تردید ہیں اور بلاشک وشبہہ جو دلائل وزنی ہوں گے وہ زیادہ قابل اعتماد ہونگے۔ ثانیاً اس لیے کہ اس پر کثیر ترجیحات ذکر کی گئی ہیں اور یہ بات مسلمہ ہے کہ جس پر اکثریت ہو وہ عمل کے لیے قابل قبول ہے جیسا کہ "عقود" وغیرہا میں ہے۔ ثالثاً اس لیے کہ جس میں فتویٰ کی قوی علامت پائی جائے وہ قوت اور وقعت کے لحاظ سے پختہ اور وزنی ہوتا ہے، چنانچہ فقہائے کرام نے اس پر تصریح کی ہے کہ "علیہ الفتوی" اور "بہ یفتی" کے الفاظ فتوی کے باب میں سب سے زیادہ پختہ الفاظ ہیں۔ رابعاً اس لیے کہ کتب متون جس کو معتمد علیہ قرار دیں اس کی

طرف ہی رجوع کرنا ہوتا ہے، یہ چاروں امور پہلے واضح ہو چکے ہیں۔ خامسا اس لیے جو آپ ابھی سنیں گے کہ امام برہان الدین محمود بن الصدر السعید تاج الدین احمد قدس سرہما نے اپنے "ذخیرہ" میں جس کو اپنے پسندیدہ امور کا ماخذ ہمارے لیے ظاہر کیا ہے اس کی بنیاد محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر کردہ مسئلہ پر ہے جس کو انہوں نے اصل یعنی "مبسوط" کے باب الصلح میں بیان کیا ہے وہ یہ کہ ایک شخص نے ایک عورت کے بارے میں دعوی کیا کہ یہ میری منکوحہ ہے جبکہ عورت نکاح سے انکاری ہے تو اس نے عورت سے سو روپے کے بدلے صلح کر کے اس سے نکاح کا اقرار کرالیا تو عورت کا اقرار جائز اور مال لازم ہو جائے گا، اھ۔ (1) اس سے محترم برہان الدین کو گمان ہوا کہ امام محمد نے عورت کے اقرار سے نکاح کو جائز قرار دیا اور علامہ برہان الدین نے یقین کرلیا کہ یہ اقرار گواہوں کی موجودگی میں ہوا تو صحیح ہوگا، اسی لیے انہوں نے اس کے بعد یہ تفریع قائم کی کہ اصح بات یہ ہے کہ گواہ موجود ہو تو اقرار سے نکاح صحیح ہوگا۔

یہ عبد ضعیف (اللہ تعالیٰ مہربان اس پر مہربانی فرمائے) میں کون ہوں جو اس عظیم امام کے سامنے بات کروں لیکن تصحیح کی کثرت اور ائمہ کرام کا جزم اس کے خلاف ہے جس کی وجہ سے مجھے جرأت ہو رہی ہے کہ:

(۹) اقول وباللہ التوفیق (میں اللہ کی توفیق سے بات کہوں): "اصل" کے بیان کا اس بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے صرف اقرار کو جائز اور مال کو لازم فرمایا ہے جس کا مفاد صرف صلح کا جواز اور جھگڑا ختم کرنا ہے حتی کہ اگر عورت اس کے بعد دوبارہ انکار کرے تو قاضی اس کی سماعت نہیں کرے گا لیکن اگر صلح کو جائز نہ مانا جائے تو مال لازم نہیں

---

(1) رد المحتار، کتاب النکاح، ج ۸، ص ۴۶، (بحوالہ المبسوط من کتاب الصلح)۔

ہوگا اور عورت کا انکار باقی رہے گا، صلح کے جواز اور عدم جواز کا حاصل صرف یہی ہے جیسا کہ واضح ہے، اس کا فی الواقع عنداللہ نکاح کے منعقد ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیا ایسی صورت میں مدعی کے جھوٹا ہونے پر معاوضہ کے اس کے لیے طیب نہ ہونے پر فقہاء نے تصریح نہیں کی! (یعنی وضاحت کی ہے کہ) ایک شخص دوسرے کے خلاف اس کے مکان کی فروختگی کا جھوٹا دعوی کرے اور مدعی علیہ قسم سے بچنے کے لیے فروختگی کا اقرار کرلے یا قاضی کے ہاں پیشی کی رسوائی سے بچتے ہوئے اقرار کرلے تو اس صورت قضاءً بیع ثابت ہوجائیگی اور اس پر مکان کا قبضہ دینا اور شفعہ وغیرہ جیسے احکام جاری ہوں گے اس کے باوجود جھوٹے مدعی کی وصولی اس کے لیے جہنم کا انگارا ہے۔

(۱۰) پھر دو صلح کرنے والوں نے جب صلح کا عہد کرلیا تو حکمت کا تقاضا ہے کہ اس معاہدہ کو کسی شرعی عقد کی صورت دینے کے لیے اس کے قریب ترین عقد پر محمول کیا جائے تاکہ ان دونوں کے کلام کو صحیح بنایا جائے اور ان کے جھگڑے کو ختم کیا جاسکے، لیکن یہاں ہمارے زیر بحث مسئلہ میں تو مرد وعورت نے کوئی عقد نہیں کیا بلکہ دونوں نے جھوٹی خبر دی، جھوٹ اگرچہ لوگوں پر اثر انداز ہوجاتا ہے لیکن عنداللہ موثر نہیں ہوسکتا، پس فرق واضح اور اشتباہ ختم ہوا، للہ الحمد۔

"ہدایہ" میں فرمایا: اگر کسی مرد نے کسی عورت پر اس سے نکاح کا دعوی کیا جبکہ عورت انکاری ہے اور دعوی کو ختم کرنے کے لیے مال دے کر صلح کرتی ہے تو یہ صلح جائز ہے، اور اس صلح کو خلع کے معنی پر محمول کیا جائیگا کیونکہ مرد کی طرف سے اس کے دعوی کی بنا پر اس معاوضہ کی وصولی کو خلع قرار دینا صحیح ہے اور عورت کی طرف سے مال کی ادائیگی جھگڑے کو ختم کرنے کی کارروائی

تصور کیا جائیگا، اس کے باوجود فقہائے کرام نے یہاں فرمایا کہ اگر وہ مرد جھوٹا ہے تو اس کو عورت سے معاوضہ لینا حلال نہیں ہے، اھ۔(1) اور " کفایہ " میں کہا کہ یہ ہر قسم کی صلح کو شامل ہے ، اھ۔(2)

" درمختار " میں " قہستانی " سے منقول ہے کہ قرض کے کچھ حصے پر صلح ہو جائے تو جائز ہے اور باقی قرض سے قضاءً بری ہو جائے گا دیانۃً یعنی عنداللہ بری نہ ہوگا اسی لیے اگر قرض خواہ کو موقع ملے تو باقی کو وصول کرے، اھ۔(3) اور " فتاویٰ شامی " میں مقدسی کے حوالے سے " محیط " سے منقول ہے کہ اگر کسی نے قرض خواہ کو ہزار دیا مگر قرض خواہ وصولی سے منکر ہے تو مقروض نے ایک صد پر صلح کر لی تو صحیح ہے لیکن قرض خواہ کو دیانۃً لینا حلال نہیں ہے، اھ۔(4) یہاں تمام نقول کو ذکر کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔

" ہدایہ " میں فرمایا کہ قاعدہ یہ ہے کہ صلح کرنے والے کے تصرف کو صحیح قرار دینے کے لیے صلح کے قریب ترین کسی عقد پر محمول کرنا ضروری ہے تاکہ حتی الامکان اس کے عقد کو صحیح بنایا جا سکے، اھ۔(5)

میں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے مولانا برہان الدین کی دلیل کے تین جواب

(1) ہدایہ، کتاب الصلح، ج ۳، ص ۱۹۲۔
(2) کفایہ، کتاب الصلح، ج ۷، ص ۳۸۹۔ (ہامش " الفتح ")
(3) درمختار، کتاب الصلح، ج ۸، ص ۴۷۴۔
(4) ردالمحتار، کتاب الصلح، ج ۸، ص ۴۷۴۔
(5) ہدایہ، کتاب الصلح، ج ۳، ص ۱۹۱۔

ہوئے۔

(۱۱) پہلا یہ کہ اس صلح کو عقود کی طرف راجع کرنا صرف فرضی صورت ہے جو کہ ایک ضرورت کے لیے ہے اس ضرورت کے بغیر تجاوز کرنا درست نہیں۔

(۱۲) دوسرا یہ کہ ان عقود کا ثبوت صلح کے الفاظ میں ضمناً ہوتا ہے جبکہ بہت سے امور ضمناً تو ثابت ہوتے ہیں لیکن مقصوداً ثابت نہیں ہوتے، آپ غور کریں کہ جب کوئی کہتا ہے کہ تو اپنے غلام کو میری طرف سے ایک ہزار کے بدلے آزاد کردے تو یہاں ضمناً بیع ہو جاتی ہے، جبکہ "آزاد کردے" کے لفظ سے قصداً بیع منعقد نہیں ہوتی۔

(۱۳) تیسرا یہ کہ یہ عقود صلح کے ضمن میں صرف قضاءً نافذ ہوتے ہیں، صلح جھوٹ پر مبنی ہو تو دیانۃً نافذ نہیں ہوتے اور یہ بات ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مرد وعورت کے قاضی کے ہاں اقرار سے قضاءً نکاح ہو جاتا ہے جبکہ ہماری گفتگو دیانت یعنی عنداللہ کے بارے میں ہے، تو اگر امام برہان الدین کی مراد یہ ہو کہ صرف قضاءً نکاح ہو جاتا ہے جبکہ ان کا کلام اس طرف مائل ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے اقرار کو انشاء بنایا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ انشاء ہے اور پھر انہوں نے اپنی بات کا مدار اصل یعنی "مبسوط" کی عبارت کو بنایا ہے، جس سے صرف قضاءً جواز ثابت ہے اگر ان کا یہی مقصد ہے تو بجا اور حق ہے، جس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور اگر اس عظیم امام کے کلام کو درست بنانے کے لیے اس مقصد کی طرف راجع کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اگرچہ ان کے ظاہر کلام سے یہ مقصد بعید نظر آتا ہے تاہم اس سے ان کے اور دیگر ائمہ کرام کے کلام میں موافقت پیدا ہو جاتی ہے اور اگر ان کا مذکورہ مقصد نہ ہو تو پھر اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ان کے مقابلہ میں دیگر ائمہ کا کلام حق ہے اور ہر مقصد میں اللہ تعالیٰ ہی حقیقت کو بہتر جاننے والا ہے،

اللہ تعالیٰ رہنمائی فرمانے والے کے لیے تمام تعریفیں ہیں۔

ہاں اگر مرد وزن نے وہ الفاظ کہے جو امر ماضی کے متعلق خبر دینے کے لیے متعین نہ تھے مثلاً: مرد نے کہا: ''یہ میری زوجہ ہے''، عورت بولی: ''یہ میرا شوہر ہے''، یا مرد نے کہا: ''میں اس کا خاوند ہوں''، عورت بولی: ''میں اس کی جورو ہوں''، اور دونوں نے ان الفاظ سے عقد نکاح کرنے کی نیت کی یعنی ان میں کسی کا قصد اخبار نہ تھا دونوں نے بارادۂ انشاء کہے تو بیشک یہ الفاظِ عقد نکاح ٹھہریں گے کہ جب قصدِ اخبار نہیں تو یہ لفظ اقرار نہیں اور جب کہ اخبار ماضی کے لیے متعین نہیں تو ارادۂ انشاء کے صالح ہیں تو انہوں نے الفاظِ صالحہ سے قصد انشاء کیا اور اسی قدر ایجاب وقبول کو ثابت کے لیے بس ہے بخلاف ان الفاظ کے جو اخبار الماضی کے سوا دوسرے معنی کے محتمل نہ ہوں مثلاً: کہیں ''باہم ہمارا نکاح ہو چکا ہے'' کہ اب لفظ اخبار میں متعین اور انشاء سے مبائن۔

(۱۴) اقول: میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جو تقریر کی ہے امام اجل فقیہ النفس قاضی خان کے قول کا بھی لازمی طور پر یہی مقصد ہے جہاں انہوں نے "بیہقی" اور "نوازل" کے قول کو ہمارے بیان کردہ کے مطابق نقل کرنے کے بعد افادہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مناسب ہے کہ جواب میں تفصیل سے کام لیا جائے کہ مرد وعورت نے ماضی میں نکاح نہ ہونے کے باوجود ماضی میں نکاح ہونے کا اقرار کیا تو اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا، اور اگر عورت نے اقرار میں یوں کہا کہ ''یہ میرا خاوند ہے'' اور مرد نے یوں کہا کہ ''یہ میری بیوی ہے'' تو یہ اقرارِ نکاح قرار پائے گا اور ان کے اقرار کے ضمن میں نکاح ایجاد ہو جائیگا بخلاف جبکہ ماضی کے نکاح کے بارے میں اقرار ہو، کیونکہ وہ محض جھوٹ ہے۔ اس تفصیل کا ما حاصل ایسے ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو کہا کہ "تو میری بیوی نہیں ہے" اور اس نے طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق ہو جائے گی، گویا کہ اس شخص نے یوں کہا کہ "تو میری بیوی نہیں کیونکہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے" اور اگر اس نے بیوی کو یوں کہا کہ "میں نے تجھ سے نکاح نہیں کیا" اس قول سے اس نے طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ ایسا جھوٹ ہے جس کی توجیہ نہیں ہو سکتی، اھ۔ "ردالمحتار" میں "فتح" سے نقل کیا گیا ہے کہ یہی تفصیل حق ہے، اھ۔(1)

اس تفصیل کا مقصد وہی ہے جو ہم نے بیان کیا اور اس سے یہ مراد نہیں کہ جب اقرار کا لفظ ماضی کی خبر کیلئے متعین نہ ہو تو خبر کی نیت کے باوجود بھی عقد نکاح صحیح ہوگا، یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ مرد و عورت نے محض جھوٹ سے کام لیا ہے، اس کا شاہد یہ بھی ہے کہ امام قاضی خان نے اس بیان پر طلاق کے مسئلہ کو بطورِ شاہد پیش فرمایا کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو میری بیوی نہیں ہے اور اس نے انشاءِ طلاق کا ارادہ نہ کیا بلکہ صرف جھوٹ مراد لیا تو قطعاً طلاق نہ ہوگی؛ کیونکہ اس صورت میں صریح لفظ سے جب طلاق نہیں ہوتی تو کنایہ سے کیسے طلاق ہو سکتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں آپ نے غور فرمایا ہوگا کہ انہوں نے اس مسئلہ کو طلاق کی نیت سے مقید کیا ہے (مذکورہ لفظ طلاق دینے کی نیت سے کہے تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں) اسی طرح جھوٹے اقرار نکاح میں بھی دونوں نے نکاح کی نیت کی ہو تو نکاح ہوگا ورنہ نہیں، یہ جس کو میں نے سمجھا وہی میں نے اختیار کیا ہے، پھر میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے علامہ عبدالعلی برجندی کو دیکھا کہ انہوں نے "نقایہ" کی شرح میں امام قاضی خان کی عبارت کو بالمعنی نقل کیا اور اس کی وہی تعبیر کی جو میں نے سمجھی، اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہی تمام حمد ہے، یہی "ظہیریہ" کی عبارت ہے کہ اگر ایک شخص نے

---

(1) فتح القدیر، کتاب النکاح، ج ۳، ص ۱۱۵۔

لوگوں کی موجودگی میں ایک عورت کو کہا کہ "یہ میری بیوی ہے"، اور عورت نے کہا: "یہ میرا خاوند ہے" تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور "فتاوی قاضی خان" میں ہے کہ اس صورت میں نکاح نہ ہوگا جب مرد و عورت نے جھوٹی خبر کے طور پر ماضی میں عقد کے بارے میں کہا ہو اور اگر انہوں نے اس سے انشاءِ نکاح کا ارادہ کیا تو یہ نکاح منعقد ہوگا، (1) اچھے فہم پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔

(۱۵) اقول: میری تقریر سے آپ پر واضح ہوگیا کہ جو کچھ امام قاضی خان اور محقق علی الاطلاق نے فرمایا وہی حق ہے اور وہ عام ائمہ کرام کی تصحیح کے ہرگز خلاف نہیں ہے؛ کیونکہ ان ائمہ کرام نے یہی تصحیح کی ہے کہ صرف اقرار سے نکاح منعقد نہ ہوگا؛ کیونکہ اقرار ماضی کے بارے میں خبر کا نام ہے؛ اسی وجہ سے امام قاضی خان نے نکاح نہ ہونے کی تصریح کی ہے لیکن اگر مرد و عورت نے نکاح منعقد کرنے یعنی انشاءِ نکاح کے ارادے سے اقرار کیا تو یہ بمعنی اخبار نہ ہوگا بلکہ انشاء ہوگا جبکہ اقرار حقیقتاً خبر کو کہتے ہیں پس فقہاء اور امام کے قول کے موافق اور تمام تصحیحات میرے فتوے پر مجتمع ہوگئیں اور اگر "ذخیرہ" کی عبارت کو اسی معنی میں لیا جائے جو میں نے پہلے ذکر کیا تو اس سے تمام اقوال میں بھی موافقت ہو جائے گی ورنہ میری تحریر کو مضبوطی سے اپناؤ۔

(۱۶) اقول: اب یہاں ایک اور مسئلہ خلافیہ وارد ہوگا کہ جس طرح نکاحِ مسلم میں وقت ایجاب وقبول دو مردوں یا ایک مرد، دو عورتوں عاقل بالغ آزاد، اور نکاح مسلمہ میں انھیں اوصاف کے خاص مسلمین کا حاضر ہونا بالاتفاق اور ان کا کلام عاقدین معا سننا عند الجمہور علی المذہب المنصور شرط وضرور ہے، آیا یوں ہی ان کا کلام عاقدین سمجھنا بھی شرط ہے یا نہیں۔ مثلاً: اگر دو ہندیوں کے سامنے مرد و زن نے عربی میں ایجاب وقبول کرلیا وہ نہ سمجھے؛ آیا یہ نکاح فاسد ہوگا یا

(1) فتاویٰ قاضی خان، کتاب النکاح، ج ا، ص ۱۵۲۔

صحیح؟ علمائے کرام کے اس میں دونوں قول منقول ہوئے، امام زیلعی نے "تبیین" میں اور محقق علی الاطلاق نے "فتح" میں پہلے پر جزم کیا ہے اور غزی نے "تنویر" کے متن میں ذکر کیا اور "جوہرہ" میں اس کی تصحیح کی۔ "ذخیرہ"، "ظہیریہ"، "خزانۃ المفتین"، "سراج الوہاج"، "قہستانی" اور "برجندی" نے اپنی شرحوں میں اور "مجمع الانہر" اور "ہندیہ" میں فرمایا کہ یہ ظاہر ہے(1)، اور یونہی قاضی خان نے "خانیہ" میں اس کو پسندیدہ قرار دیا اور اس کے خلاف کو ضعیف کہا ہے اور "ذخیرہ"، "بحر"، "در"، "مجمع الانہر" نے کہا کہ یہی مذہب ہے، اور دوسرے (صحیح) پر جزم کا اظہار فتاویٰ میں کیا اور یوں اس کو بقالی نے ذکر کیا، اور "خلاصہ" اور "جواہر الاخلاطی" میں کہا کہ یہ اصح ہے،(2) اور "مجمع الانہر" میں "نصاب" کے حوالے سے کہا کہ اس پر فتویٰ ہے(3)، اور "مختصر القدوری"، "وقایہ"، "نقایہ"، "کنز"، "اصلاح"، "ایضاح" اور "ملتقی" میں فہم کی قید کو ذکر نہیں کیا جبکہ یہ دونوں قول مدار مذہب امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں، جیسا کہ "فتح" میں مذکور ہے۔(4)

(۱۷) اور توفیق نفیس یہ ہے کہ معنی الفاظ سمجھنا ضروری نہیں مگر اس قدر سمجھنا ضرور ہے کہ یہ عقد نکاح ہو رہا ہے۔

(۱۸) **اقول:** مجھے یہ واضح ہوا، پھر اس کے بعد مجھے یہ بات "در" کے محشی علامہ مصطفیٰ

---

(1) فتاویٰ ہندیہ، کتاب النکاح، ج۱، ص ۲۶۸۔

(2) خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب النکاح، ج۲، ص ۱۴۔

(3) مجمع الانہر، کتاب النکاح، ج۱، ص ۴۷۳۔

(4) فتح القدیر، ج۳، ص ۱۱۴۔

رحمتی کے ہاں مل گئی اور "ردالمحتار" میں فرمایا کہ علامہ رحمتی نے فہم کی شرط والے قول اور فہم کی شرط نہ ہونے والے قول میں یوں تطبیق دی ہے کہ جہاں فہم کی شرط کا قول ہے اس سے مراد نکاح ہونے کا فہم ہے اور جہاں فہم کی شرط کی نفی ہے اس سے نکاح کے وقت بولے جانے والے الفاظ کے فہم کی نفی مراد ہے بشرطیکہ نکاح ہونا سمجھا گیا ہو، اھ۔(1) آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ بہت اچھی تطبیق ہے۔

(١٩) اقول: جس کو عقد نکاح میں گواہوں کے موجود ہونے کی شرط کی حکمت معلوم ہے وہ اس تطبیق کی توثیق کرے گا؛ کیونکہ گواہوں میں سے جس نے یہ معلوم کرلیا کہ یہ نکاح ہے تو نکاح کا گواہ ہوگیا اگرچہ اس نے الفاظ کا ترجمہ نہ سمجھا اور جس کو نکاح کا فہم نہ ہوا گویا اس نے سنا ہی نہیں اور جس نے نہ سنا گویا وہ مجلس نکاح میں حاضر نہ ہوا۔ میری اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ نکاح کے جواز میں صرف گواہوں کا حاضر ہونا، یا گواہوں کی حاضری اور سماع، یا ان دونوں کے ساتھ فہم کا ذکر حقیقۃً ان سب کا مقصد ایک ہی ہے، اور اللہ سبحانہ تعالیٰ توفیق کا مالک ہے۔

پس مسئلہ دائرہ میں جبکہ مرد وزن ان الفاظ سے قصدِ انشاء کریں اس کے ساتھ یہ بھی ضرور کہ دو شاہد بھی ان کی اس گفتگو کو عقد نکاح سمجھیں خواہ بذریعہ قرائن یا خود عاقدین کے مطلع کر رکھنے سے ورنہ اگر سب حضار (حاضرین) نے اسے محض اخبار جانا تو "فاھمین انّہ نکاح" (ان کا اس کو نکاح سمجھنا) صادق نہ آیا اور نکاح صحیح نہ ہوا۔

یہ میں نے اپنی سمجھ سے کہا پھر میں نے "ردالمحتار" میں دیکھا انہوں نے فرمایا کہ "فتح" کا ماحصل اور خلاصہ یہ ہے کہ کنایات نکاح میں نیت مع قرینہ، یا قبول کرنے والے کا ایجاب

(1) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۱۰۰۔

کرنے والے کی تصدیق کرنا اور گواہوں کا مراد کو سمجھنا یا ان کو بتایا جانا ضروری ہے، اھ۔(1) پس صدواضح ہوگیا اور اللہ تعالیٰ مالک انعام کے لیے تعریف ہے۔

(۲۰) اقول: گواہوں کو نکاح کے بارے میں پہلے بتانا مناسب ہے تا کہ وہ نکاح کے وقت شہادت کی شرائط پوری کرسکیں۔ جیسا کہ میں نے اشارہ کیا ہے، کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ فقہاء نے گواہوں کے فاہم ہونے کو حال قرار دیا ہے جبکہ حال اور اس کے عامل کا مقارن ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ یہ سب کچھ اس فقیر کے قلب پر فیضان ہوا مولیٰ تعالیٰ قادر کے فیض سے، جب اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ جاہل عاجز کو ماہر خبیر سے ملحق کردیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے سب تعریفیں ہیں اس کے اچھی توفیق دینے پر اور تحقیق کے الہام پر، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سید العالمین پر صلوٰۃ وسلام اور ان کی آل واصحاب پر، آمین!

پھر جس حالت میں انعقادِ نکاح کا حکم ہو ذکر مہر کی کوئی حاجت نہیں کہ نکاح بے ذکر بلکہ بذکر عدمِ مہر بھی صحیح و منعقد ہے جیسا کہ اس پر فقہاء نے تصریح کی ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ تعالیٰ اَتمُّ واَحکمُ۔(2)

{13} قال خیر الدین الرملی: صحت نکاح کے لئے گواہوں کا عورت کو پہچاننا اصلاً شرط نہیں ہے، عورت کو پہچاننے کی ضرورت صرف اس وقت پیش آتی ہے جب وہ انکار کرے۔(3)

قال الرضا فی ھامش "الخیریة": یعنی نکاح میں یہ امر بھی ضروری ہے کہ

---

(1) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج۴، ص۹۲۔

(2) فتاویٰ رضویہ، ج۱۱، ص۱۲۱۔

(3) فتاویٰ خیریہ، کتاب النکاح، ج۱، ص۲۲۔

گواہوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں عورت سے نکاح ہو رہا ہے اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اگر وہ نکاح کی مجلس میں موجود ہے تو اسکی طرف نکاح پڑھانے والا اشارہ کر کے کہے: ''میں نے اس (فلانہ بنت فلاں) کو تیرے نکاح میں دیا'' اگرچہ عورت کے منہ پر نقاب پڑا ہو بس اشارہ کافی ہے (اور اس صورت میں اگر اس کے یا اس کے باپ، دادا کے نام میں غلطی بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں کہ اشارہ کرنے کے بعد نام وغیرہ کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں) اور دوسری صورت یہ ہے کہ منکوحہ نکاح کی مجلس میں حاضر نہ ہو بلکہ پردے کے پیچھے ہو تو اس صورت میں عورت کا اور اس کے باپ اور دادا کا نام لیا جانا ضروری ہے کہ فلانہ بنت فلاں بن فلاں اور اگر صرف اسی کا نام لینے سے گواہوں کو معلوم ہو جائے کہ فلانی عورت سے نکاح ہوا تو باپ دادا کے نام لینے اور اس عورت کو پہچاننے کی اصلاً ضرورت نہیں بلکہ صرف یہ جاننا کافی ہے کہ فلانی، فلاں کی بیٹی اور فلاں کی پوتی ہے؛ لہٰذا صحیح قول یہ ہے کہ تعیین ضروری ہے یہاں تک کہ اگر کسی عورت نے نکاح کرنے والے کو گواہوں کے سامنے اپنا وکیل بنایا ہو تو اس عورت سے نکاح کرنے والا یوں کہے کہ ''میں نے ان گواہوں کی موجودگی میں اپنی موکلہ کا نکاح اپنے ساتھ کر دیا'' تو نکاح صحیح نہ ہو گا بلکہ اس شخص پر لازم ہے کہ یوں کہے: ''میں نے فلانہ بنت فلاں بن فلاں کا نکاح اپنے ساتھ کر دیا'' (یعنی اسکا اور اسکے باپ دادا کا نام ذکر کرنا ضروری ہے) لیکن امام خصاف نام نہ ذکر کیے جانے کی صورت میں بھی نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں۔

{14} قال خیر الدین الرملی: اگر کسی نے کہا: ''میں تیرے پاس تیری فلاں بیٹی کا رشتہ لینے آیا ہوں'' اس نے جواب میں کہا: ''وہ تیری ہی ہے'' یا کسی نے کہا: ''میں نے تمہاری لڑکی کو اپنے نکاح میں اتنے مہر کے عوض قبول کیا'' اس نے جواب میں کہا: ''وہ اتنے ہی کے عوض

تمہارے لئے ہے، یا اس کے عوض وہ تمہارے لئے ہوگئی" یا کسی نے کہا: "میں نے اتنے مہر کے عوض اس سے نکاح کیا" اس نے جواب میں کہا: "سنا اور اطاعت کی" تو ان الفاظ سے نکاح منعقد ہو جائیگا شوہر یا باپ کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ "خلاصہ" میں فرمایا: اگر عورت نے کسی شخص سے کہا: "میں تمہارے لئے ہوگئی" یا "میں ہوگئی"، اس نے قبول کر لیا تو نکاح منعقد ہو جائیگا نیز "خلاصہ" میں ہے: اگر کسی نے عورت سے کہا: "تو اپنے ساتھ میرا نکاح کر دے" اس عورت نے جواب میں "سنا اور اطاعت کی" کہا تو نکاح ہو جائیگا۔

"خانیہ" میں ہے: اگر کسی نے کہا: "میں تمہارے پاس تمہاری فلاں بیٹی کا رشتہ لینے آیا ہوں" باپ نے جواب میں کہا: "میں نے تمہیں مالک بنا دیا" تو نکاح ہو جائیگا (پھر خیر الدین رملی نے فرمایا:) ایسے کثیر الفاظ ہیں جو خاطب (نکاح کا پیغام دینے والے) اور مخطوب منہ (جس کو نکاح کا پیغام دیا جائے) کے درمیان جاری ہوتے ہیں اور ان سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اس خوف سے کہ کہیں لڑکی کا دوسرا نکاح واقع ہو جائے اور وہ دوسرے کی منکوحہ ہو جائے حالانکہ وہ پہلے شخص کی تھی۔ (1)

قال الرضا فی ھامش "الخیریۃ": لیکن نکاح منعقد ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ گواہوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ نکاح ہو رہا ہے (یعنی گواہوں کو اتنا سمجھنا ضروری ہے کہ یہ نکاح کی مجلس ہے) اور یہ بات معلوم ہے کہ اگر یہ منگنی کی مجلس ہو تو ان الفاظ کو نکاح پر محمول نہیں کیا جا سکتا بلکہ منگنی (وعدۂ نکاح) پر محمول کیا جائیگا اور حاضرین بھی اسے منگنی ہی سمجھتے ہیں "ردالمحتار" میں "شرح طحاوی" کے حوالے سے مذکور ہے: ایک شخص نے دوسرے سے کہا: "کیا

---

(1) فتاویٰ خیریہ، کتاب النکاح، ج ۱ ص ۲۰۔

تو نے اپنی لڑکی مجھے دی ہے؟" تو دوسرے نے جواب میں کہا: "میں نے دی ہے" اور اگر یہ منگنی کی مجلس ہو تو منگنی ہو گی۔

{15} **قال العلامة الحصکفی :** نکاح میں مہر کا ذکر ہو تو ایجاب پورا اسی وقت ہو گا جب وہ مہر کا بھی ذکر کر لے، مثلاً: یہ کہا کہ "فلاں عورت تیرے نکاح میں ہزار روپے کے عوض دی" اور اس نے مہر کے ذکر کیے جانے سے پہلے ہی کہہ دیا: "میں نے قبول کی" تو اول کلام کے اپنے آخر کلام پر موقوف ہونے کی وجہ سے نکاح صحیح نہ ہو گا (یعنی ابھی ایجاب ہی پورا نہ ہوا تھا اور اس نے قبول کر لیا اور اگر مہر کا ذکر نہ ہوتا تو نکاح منعقد ہو جاتا)۔(1)

قال العلامة الشامی : علامہ ابن ہمام نے "فتح" میں فرمایا: عورت نے مرد سے کہا کہ "میں نے تیرے ساتھ ہزار دینار پر نکاح کیا" اور مرد نے مہر کا ذکر کرنے سے پہلے ہی قبول کر لیا تو نکاح منعقد نہ ہو گا کیونکہ یہاں اول کلام آخرِ کلام پر موقوف ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب آخر کلام میں وہ مضمون ہو جو اول کلام کے مخالف ہو اور یہاں ایسا ہی ہے۔(2)

قال الرضا فی " الجد ": میں کہتا ہوں کہ یہاں عدمِ صحت سے مراد عدمِ نفاذ ہے، عدمِ انعقاد نہیں کیونکہ یہ وہ عقدِ فضولی ہے جو بھیجنے والے کی اجازت پر موقوف ہو کر منعقد ہو جائیگا۔

{16} **قال العلامة الحصکفی :** ایسے عقد میں ایجاب و قبول کے معنی کا علم ہونا شرط نہیں جس میں قصد اور مذاق دونوں یکساں ہوں کیونکہ اس عقد میں اسکی نیت کی حاجت نہیں ہوتی، اسی

---

(1) درمختار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۸۵-۸۶۔

(2) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۸۶۔

پر فتویٰ ہے۔(1)

قال العلامة الشامی : "بزازیہ" میں اسی کی صراحت کی ہے اور صاحب "در" علامہ حصکفی نے "ملتقی" کی شرح "الدر المنتقی" میں فرمایا ہے کہ اس مسئلہ کی صحت وعدم صحت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔(2)

قال الرضا فی " الجد ": لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ "بزازیہ" میں یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ایجاب وقبول کے معنی کا علم ہونا ضروری ہے(3) اور اسی پر اعتماد ہے، تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ قضاءً علم ضروری نہیں دیانۃً علم ضروری ہے، ایسے عقد میں جس میں قصد اور مذاق یکساں ہوں ایجاب وقبول کے معنی کا علم ہونا ضروری نہیں؛ کیونکہ اس عقد میں قضاءً اسکی نیت کی ضرورت نہیں ہوتی اور اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اسے ایجاب وقبول کے معنی معلوم نہیں تھے تو تب بھی قاضی اسکا دعویٰ رد کردے گا اور نکاح کو نافذ کردے گا اور "بزازیہ" کا دوسرا قول یہ ہے کہ ایجاب وقبول کے معنی کا علم ہونا ضروری ہے اس سے مراد یہ ہے کہ دیانۃً یعنی عند اللہ علم ہونا ضروری ہے؛ لہٰذا اگر کسی نے ایجاب یا قبول کیا اور اسے ایجاب وقبول کے معنی کا علم نہیں تھا تو دیانۃً یہ نکاح لازم نہیں ہوگا لیکن قاضی قضاءً اس عقدِ نکاح کو لازم کردے گا تو اس تطبیق سے دونوں قولوں میں موافقت ہوگئی اور حقیقۃً اختلاف باقی نہ رہا۔

---

(1) در مختار، کتاب النکاح، ج۴، ص۸۸-۸۹۔

(2) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج۴، ص۸۹۔

(3) بزازیہ، کتاب النکاح، ج۴، ص۱۰۹۔(ہامش علی الفتاوی الہندیۃ)

{17} قال العلامۃ الحصکفی : نکاح میں لفظ ''تزویج'' و''نکاح'' صریح ہیں انکے علاوہ باقی سب کنایہ ہیں اور وہ تمام الفاظ کنایہ ہیں جو بروقت کسی کامل چیز کا مالک بنانے کیلئے ہوں مثلاً: ہبہ، صدقہ، عطیہ اور تملیک کے الفاظ جب نکاح کی نیت سے استعمال ہوں یا اس پر قرینہ موجود ہو اور اس سے گواہ بھی مقصود کو سمجھ سکیں۔(1)

قال العلامۃ الشامی : یہی تحقیق "فتح" میں کی گئی ہے اور یہ علامہ زیلعی و سرخسی کا رد ہے کہ علامہ زیلعی نے فرمایا: جب مہر کا ذکر ہو تو نیت شرط نہیں ہے، اور علامہ سرخسی نے فرمایا: جب احتمال باقی نہ رہے تو نیت شرط نہیں ہے۔(2)

قال الرضا فی " الجد ": (امام اہلسنّت امام احمد رضا نے اس اختلاف کو رفع کرتے ہوئے یہ تطبیق ارشاد فرمائی کہ) کنایہ کے الفاظ سے نکاح اس وقت منعقد ہوتا ہے جب نکاح کی نیت ہو یا قرینہ ہو اور گواہ بھی الفاظ کنایہ کے مطلب کو سمجھ گئے ہوں اور ان شرائط میں حقیقۃً کوئی اختلاف نہیں ہے؛ کیونکہ علامہ زیلعی نے مہر کے ذکر کو اور علامہ سرخسی نے دلالتِ حال کو قرائن نکاح سے شمار فرمایا ہے۔(3)

{18} قال العلامۃ الحصکفی : اجارہ، اعارہ، وصیت اور رہن وغیرہا الفاظ جو ملکیت کا فائدہ نہ دیتے ہوں ایسے الفاظ سے نکاح صحیح نہ ہوگا، لیکن شبہ نکاح ثابت ہو جائے گا، اسی طرح ہر اس لفظ سے شبہ نکاح ثابت ہو جاتا ہے، جس سے نکاح منعقد نہیں ہوتا پس اس صورت میں اگر

---

(1) درمختار، کتاب النکاح، ج۴، ص۸۹-۹۲۔

(2) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج۴، ص۹۲۔

(3) تبیین الحقائق للزیلعی، کتاب النکاح، ج۲، ص۴۵۰۔

وہ ازدواجی تعلقات قائم کرلیں توان پر شبہ نکاح کی وجہ سے حد جاری نہیں کی جائیگی۔ (1)

قال الرضا فی " الجد ": اسی طرح ہراس لفظ سے شبہ نکاح ثابت ہو جاتا ہے جس سے نکاح منعقد نہیں ہوتا "بزازیہ" میں بھی اسی طرح ہے۔ (2)

{19} قال العلامة الشامی : نکاح کا وکیل بناتے وقت گواہ بنانا صحت نکاح کیلئے شرط نہیں ہے۔ (3)

قال الرضا فی " الجد ": اسی پر شرح ("در" کے باب المہر) میں نص بیان کی گئی ہے۔

{20} قال العلامة الشامی : "بحر" میں ہے: کہ گواہوں کے نزدیک منکوحہ کا ممتاز ہونا ضروری ہے تاکہ کسی قسم کی جہالت ولاعلمی نہ رہے، پس اگر مجلس میں نقاب پہن کر حاضر ہو تو نکاح میں اس کی طرف اشارہ کافی ہے اگرچہ چہرہ کھلا رکھنے میں احتیاط ہے، اگر مجلس والے اس عورت کی شخصیت کو نہ دیکھ پائیں اور کمرے میں سے اس کی آواز سن رہے ہوں اگر وہ کمرے میں اکیلی ہو تو نکاح جائز ہے اور اگر اس کے ساتھ کمرے میں کوئی اور عورت بھی ہو تو جائز نہیں؛ کیونکہ لاعلمی باقی ہے اور اگر وہ عورت مجلس میں موجود نہیں اور اس کی آواز بھی سنی نہیں جاسکتی اس کی طرف سے اس کا نکاح وکیل کر رہا ہو تو اگر گواہ اس عورت کو جانتے ہیں تو نکاح میں عورت کا نام ذکر کردینا کافی ہے جبکہ گواہوں کو علم ہو کہ وکیل کی مراد وہی عورت ہے، اور اگر گواہ اس کو نہ پہچانتے ہوں تو عورت، اس کے والد اور دادا کا نام ذکر کرنا ضروری ہے۔ اور امام خصاف نے نام ذکر کئے

---

(1) درمختار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۹۳۔

(2) بزازیہ، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۱۰۸۔ (ہامش علی الفتاوی الہندیۃ)

(3) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۹۸۔

بغیر بھی جائز کہا ہے مثلاً: ایک عورت نے نکاح کرنے والے کو گواہوں کے سامنے اپنا وکیل بنایا ہو تو اس سے نکاح کرنے والا یوں کہہ دے کہ "میں نے ان گواہوں کی موجودگی میں اپنی موکلہ کا نکاح اپنے ساتھ کر دیا"، یا یوں کہہ دے کہ "جس عورت نے مجھے اپنے نکاح کا اختیار دیا ہے میں نے اس کا نکاح اپنے ساتھ کر دیا"، تو اس طرح بھی امام خصاف کے قول پر نکاح صحیح ہوگا، امام قاضی خان نے فرمایا کہ خصاف کا علم میں بڑا مقام ہے اس کی بات پر عمل جائز ہے اور حاکم شہید نے بھی "منتقی" میں خصاف جیسا قول کیا ہے، اھ۔

قلت: اور "تتارخانیہ" میں "مضمرات" کے حوالے سے ہے کہ پہلا قول صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ "بحر" میں فضولی اور وکیل کی فصل میں یونہی اس کو مذہب میں مختار قرار دیا ہے جو کہ خصاف کے قول کے خلاف ہے اگرچہ خصاف کا بڑا علمی مقام ہے، اھ۔(1)

قال الرضا فی "الجد": "بحر" میں جو کچھ امام قاضی خان کی طرف منسوب کیا اس کو قاضی خان نے امام شمس الائمہ سرخسی سے نقل کیا ہے،(2) لیکن خود ان کا موقف عدم صحت ہے جس کو انہوں نے پہلے ذکر کیا ہے اور یہ بات معلوم شدہ ہے کہ وہ اپنے معتمد علیہ کو پہلے ذکر کرتے ہیں۔

{21} قال العلامة الشامی : نکاح کی مجلس میں دو گواہوں کا حاضر ہونا جو عاقدین کے کلام کو ایک ساتھ سنیں اس بارے میں دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ نکاح کی مجلس میں دو گواہوں کا حاضر ہونا کافی ہے گواہوں کا سننا شرط نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ایک ساتھ گواہوں

---

(1) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج۴، ص ۹۸۔

(2) فتاویٰ قاضی خان، ج۱، ص ۱۵۲۔

کا سننا شرط نہیں اگر پے در پے (یعنی ایک نے پہلے اور دوسرے نے بعد میں) سنا تو سننے کی شرط حاصل ہو جائیگی بشرطیکہ نکاح کی مجلس ایک ہی ہو۔(1)

قال الرضا فی "الجد": پہلے قول کو "خانیہ" میں امام علی سغدی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے (امام سغدی نے ذکر کیا ہے کہ گونگوں کی موجودگی میں بھی نکاح صحیح ہو جائیگا کیونکہ صحتِ نکاح کیلئے گواہوں کا حاضر ہونا شرط ہے سننا شرط نہیں)۔

{22} قال العلامة الشامی : صاحب "بحر" نے "بحر" میں ارشاد فرمایا کہ " تبیین" میں اس پر جزم کیا گیا ہے کہ اگر دو ہندی گواہوں کی حاضری میں عربی میں نکاح فریقین نے کیا جن کے کلام کو وہ نہ سمجھ سکے تو نکاح جائز نہ ہوگا۔ "جوہرہ" میں اس حکم کو صحیح کہا ہے اور "ظہیریہ" میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ نکاح ہونا گواہوں کو سمجھنا شرط ہے اور "خانیہ" میں اس کو مختار کہا تو یہی مذہب ہے، لیکن "خلاصہ" میں ہے کہ اگر نکاح کے فریقین عربی اچھی طرح جانتے ہیں اور انہوں نے نکاح عربی میں کیا جس کو گواہوں نے نہ سمجھا تو اصح یہ ہے کہ نکاح ہو جائیگا۔ اور علامہ رحمتی نے دونوں اقوال میں یہ موافقت کی کہ جہاں گواہوں کے فہم کو شرط کہا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ نکاح ہونے کو سمجھ لیں اور جہاں فہم کو شرط قرار نہیں دیا گیا اس سے مراد یہ ہے کہ قبول وایجاب کے الفاظ کے معانی سمجھنا شرط نہیں جبکہ نکاح ہونے کا فہم حاصل ہو چکا ہو، اھ۔(2)

قال الرضا فی "فتاواہ": قلت : اس عبد ضعیف پر واضح ہوا کہ یہ تطبیق بہت اچھی ہے جبکہ ابھی میں نے یہ نہیں دیکھا تھا اور "وجیز کردری" میں ہے کہ مرد وعورت نے عربی میں

---

(1) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۱۰۰۔

(2) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۱۰۰۔

نکاح کیا، وہ دونوں عربی جانتے تھے اور گواہ نہ جانتے تھے "محیط" میں فرمایا کہ اصح یہ ہے کہ نکاح ہو جائے گا، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ فریقین نے عربی میں دو ہندی حضرات کی حاضری میں نکاح کیا جبکہ یہ حضرات اس کی تعبیر پر قدرت نہیں رکھتے تو نکاح جائز نہ ہوگا، امام محمد سے مروی یہ اس بات پر نص ہے کہ عقدِ نکاح ہونا سمجھنے سے بھی نکاح نہ ہوگا، اھ۔(1)

اقول: میں کہتا ہوں امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کہ "گواہ تعبیر نہ کر سکیں" میں اس بات کی طرف اشارہ ہے جو ہم نے ذکر کی؛ کیونکہ گواہوں کو تعبیر کی ضرورت صرف اس وقت پیش آتی ہے جب ان سے گواہی ادا کرنے کا مطالبہ کیا جائے، تو اس وقت گواہوں کے لیے ضروری نہیں کہ وہ نکاح کے فریقین کے الفاظ کو دہرائیں یا ان کے الفاظ کے مترادف الفاظ یا ان الفاظ کا ترجمہ بیان کریں، بلکہ اگر اتنا ہی بیان کر دیں کہ فلاں مرد کا فلاں عورت سے نکاح ہوا ہے، تو کافی ہے، بس یہ وہ تعبیر ہے جس کی ضرورت ہے اور اس کے لیے گواہوں کا مجلس میں اتنا سمجھنا کافی ہے کہ نکاح ہو رہا ہے اگر چہ وہ الفاظ کی تفسیر و معانی نہ سمجھ پائیں، پھر یہ کہ شریعت نے خاص اس عقد نکاح کے لیے گواہوں کی حاضری کا جو مقصد متعین کیا ہے اس کے لیے یہ شرط ثبت ہے؛ لہٰذا اتنی شرط کو معتبر نہ سمجھنا شرعی مقصد سے بے اعتنائی ہوگی اور گواہوں کے لیے نکاح کے الفاظ کے معانی کو جاننے کی شرط لگانا غیر ضروری زیادتی ہے تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے جبکہ اسی سے تطبیق ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ پھر مجھے "بزازیہ" کے پہلے قول کا مفہو بھی نہیں ملا تو معلوم ہوا کہ ان کا بیان کردہ وہ پہلا قول ہی ہے۔

بالجملہ حاصل یہ ہے کہ اگر دو گواہ یہ نہ سمجھے کہ یہ عقدِ نکاح ہے تو نکاح مطلقاً نہ ہوا اگر چہ زن و مرد

(1) بزازیہ، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۱۱۸۔ (ہامش علی الفتاوی الہندیۃ)

خوب سمجھتے اور انشائے نکاح ہی کا قصد رکھتے ہوں اور اگر دو گواہ اس قدر سمجھ لیے اگر چہ تفسیرِ الفاظ نہ جانتے ہوں تو اگر عاقدین بھی اتنا جانتے ہوں کہ ان الفاظ سے نکاح ہو جاتا ہے تو بالاجماع نکاح ہو جائیگا اگر چہ اس زبان سے دونوں وہ اور گواہ سب نا آشنا ہوں اور اگر عاقدین میں دونوں یا ایک کو معلوم نہ تھا کہ یہ الفاظِ نکاح ہیں تو جہاں احکامِ اسلام کا چرچا نہیں وہاں یہ جہل عذر ہے اور جہاں چرچا ہے اور وہ الفاظ کسی غیر زبان کے نہ تھے جس سے آگاہی نہ ہو تو نکاح ہو جائیگا اور یہ عذر مسموع نہیں، اور اگر غیر زبان کے تھے اور فی الواقع اس نے اسے عقد نہ سمجھا تو عند اللہ نکاح نہ ہوگا۔ رہا قاضی، اُسے نظرِ کامل چاہیے، اگر ظاہر ہو کہ واقعی فریب کیا گیا اور دھوکا دیا گیا تو بطلانِ نکاح کا حکم دے ورنہ صحت کا۔(1)

{23} قال العلامة الحصكفي : اگر دونوں گواہ اندھے ہوں تب بھی انکی موجودگی میں نکاح درست ہے۔(2)

قال العلامة الشامي : اسی طرح "ہدایہ"، "کنز"، "وقایہ"، "مختار"، "اصلاح"، "جوہرہ"، "شرح نقایہ"، "فتح" اور "خلاصہ" میں ہے، مگر "خانیہ" میں اسکے مخالف قول ہے کہ ہمارے نزدیک اندھے کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی؛ کیونکہ اندھا مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان امتیاز کرنے اور انکی طرف اشارہ کرنے پر قادر نہیں ہے تو اسکا کلام گواہی نہیں بن سکتا اور اسکی موجودگی سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، لیکن مختار قول وہی ہے جس پر اکثر فقہائے کرام ہیں (علامہ نوح آفندی کے حوالے سے یہ عبارت گزری ہے یعنی جب علامہ نوح آفندی نے دیکھا کہ قاضی خان

---

(1) فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح، ج۱۱، ۲۳۳-۲۳۵۔

(2) در مختار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۱۰۱۔

اندھوں کی موجودگی میں نکاح کے منعقد ہونے کے قائل نہیں ہیں اور صحتِ نکاح میں اکابر علماء کی مخالفت کررہے ہیں تو علامہ نوح آفندی کو اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ اس قول (اندھوں کی موجودگی میں نکاح درست ہے) کو ترجیح دی جائے؛ کیونکہ اسی پر اکثر فقہائے کرام ہیں اور علامہ شامی نے علامہ نوح آفندی کے کلام کو برقرار رکھا)۔(1)

قال الرضا فی "الجد": میں کہتا ہوں خود "خانیہ" کے کتاب النکاح، فصل فی شرائطہ میں یہ نص موجود ہے کہ جو شخص خود اپنی ذات کی ولایت سے قبول نکاح کا مالک ہوسکتا ہے تو اسکی موجودگی سے نکاح بھی صحیح ہوگا مثلاً: فاسق اور اندھے کو قبول نکاح کا اختیار ہے تو انکا گواہ ہونا بھی درست ہے (یعنی اگر "خانیہ" کی اس نص کی طرف نظر کی جائے تو کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا اور نہ ہی ترجیح کی ضرورت پیش آتی ہے)۔(2)

{24} قال العلامۃ الحصکفی: باپ نے اپنی صغیرہ (چھوٹی بچی) کا نکاح کرنے کیلئے کسی شخص کو وکیل بنایا، اس شخص نے باپ کی موجودگی میں ایک مرد یا دو عورتوں کے سامنے اسکا نکاح کردیا تو نکاح درست ہے؛ کیونکہ باپ کو اس صورت میں حکماً عاقد (عقد کرنے والا) قرار دیا جائیگا یعنی جب باپ مجلس میں موجود ہو تو اس شخص کی وکالت کی کچھ حاجت نہ رہی تو اس صورت میں گویا باپ خود عاقد ہوا اور وکیل اور دوسرا مرد یا دو عورتیں نکاح کے گواہ ہوگئے۔(3)

قال العلامۃ الشامی: کیونکہ نکاح میں وکیل محض سفیر اور معبر ہے جو اپنے مؤکل کی

---

(1) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج۴، ص۱۰۱۔

(2) فتاویٰ قاضی خان، کتاب النکاح، ج۱، ص۱۵۶۔

(3) درمختار، کتاب النکاح، ج۴، ص۱۰۲۔

عبارت نقل کرتا ہے پس جب مؤکل حاضر ہوگا تو وہ خود عاقد ہوگا کیونکہ اسکی موجودگی میں عبارت اسکی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور اسکے علاوہ کوئی اور عاقد نہ ہوگا ہاں!! اگر مؤکل مجلس نکاح میں حاضر نہ ہوتو وکیل نے ایک مرد یا دو عورتوں کے سامنے نکاح کیا تو نکاح صحیح نہ ہوگا کیونکہ خود وکیل تو عاقد ٹھہرا تو گواہ ایک مرد یا دو عورتیں ہوئیں اور ایک مرد یا دو عورتوں کی گواہی سے نکاح نہیں ہوتا، پس اس سے ظاہر ہو گیا کہ باپ کو موجود ہونے کی صورت میں عاقد قرار دینا جبری صورت ہے۔(1)

قال الرضا فی "الجد": اس سے مفر (بھاگنے کی گنجائش) نہیں ہے؛ لہٰذا اس بات کی بالکل گنجائش نہیں ہے کہ باپ کو موجود ہونے کی صورت میں گواہ بنایا جائے۔

{25} قال العلامة الحصكفي: اگر باپ نے اپنی جوان عاقل بالغ بیٹی کا نکاح ایک گواہ کے سامنے کیا تو نکاح جائز ہوگا اگر اسکی بیٹی مجلس عقد میں موجود ہو اس لئے کہ اس صورت میں ضرورتاً بیٹی عاقدہ قرار دی جائیگی اور باپ اور دوسرا مرد گواہ ہو جائینگے۔(2)

قال العلامة الشامي: کیونکہ خود اسے (لڑکی کو) اپنی ذات پر گواہ بنانا ناممکن ہے اور وکیل کی عبارت اسکی طرف منتقل ہو جائیگی اور اگر اسکی بیٹی مجلس عقد میں حاضر نہ ہوتو نکاح درست نہ ہوگا؛ اس لئے کہ اس صورت میں باپ عاقد ہے گواہ نہیں تو ایک گواہ کی موجودگی سے نکاح نہ ہوگا۔(3)

---

(1) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج۴، ص۱۰۲۔

(2) درمختار، کتاب النکاح، ج۴، ص۱۰۲۔

(3) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج۴، ص۱۰۲۔

قال الرضا فی "الجد": وکیل کی عبارت عورت کی طرف اس وقت منتقل ہوگی جبکہ عورت کی طرف سے وہ وکیل ہو اور "شامی" کے گزشتہ صفحہ پر گزر چکا ہے کہ وکیل کی حیثیت نکاح میں محض سفیر اور معبر کی ہے جو مؤکل کی عبارت منتقل کرتا ہے تو جب مؤکل حاضر ہو تو وہ خود عاقد قرار دیا جائیگا، لیکن جب نکاح کرنے والا فضولی ہو تو عورت کی طرف سے وکیل بنائے بغیر کیا اسکی عبارت عورت کی طرف منتقل ہوگی کہ عورت کو عاقدہ قرار دیا جائے اور باپ کو گواہ بنایا جائے؟ ظاہر یہ ہے کہ منتقل نہیں ہوگی؛ کیونکہ اگر فضولی کی عبارت اصیل (عورت) کی طرف منتقل مان لی جائے تو یہ عقد فضولی نہ رہے اور نہ ہی اصیل کی اجازت پر موقوف ہو اور نہ ہی اس کو (اصیل کو) انکار کرنے کا حق حاصل ہو، جیسا کہ مخفی نہیں ہے (ظاہر ہے کہ معاملہ اسکے برعکس ہے)۔

پھر میں نے "بحر" میں دیکھا کہ اس میں "نقایہ" کے حوالے سے منقول ہے کہ وکیل گواہ اس صورت میں ہوگا جب اسکا مؤکل موجود ہو جیسا کہ ولی اگر اسکی مولیہ بالغہ (اسکو ولی بنانے والی بالغہ عورت) حاضر ہو، پھر صاحب "بحر" نے فرمایا کہ یہ قول: ''جیسا کہ ولی'' اسکی بھی حاجت نہیں کیونکہ یہ اس صورت میں محض وکیل ہے تو یہ اول (کہ وکیل گواہ اس وقت ہوگا جب اسکا مؤکل موجود ہو) کے تحت داخل ہوگیا، اھ۔ (1) "بحر" کے قول کا مفاد یہ ہے کہ وہ ولایت جو وکالت کے بغیر ہو اسکا اس باب (مسئلہ) سے کوئی تعلق نہیں۔

{26} قال العلامة الحصکفی: اگر باپ نے اپنی جوان عاقل بیٹی کا نکاح ایک گواہ کے سامنے کیا تو نکاح جائز ہوگا اگر اسکی بیٹی مجلس عقد میں موجود ہو اس لئے کہ اس صورت میں بیٹی عاقدہ قرار دی جائیگی اور باپ اور دوسرا مرد گواہ ہو جائینگے، اور اگر اسکی بیٹی نکاح کی مجلس میں

(1) بحر الرائق، کتاب النکاح، ج ۳، ص ۱۶۳۔

حاضر نہ ہو تو نکاح نافذ نہ ہوگا؛ اس لئے کہ اس صورت میں باپ عاقد ہے گواہ نہیں تو ایک گواہ سے نکاح نہ ہوگا۔(1)

قال العلامة الشامی: بلکہ اس صورت میں نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف ہوگا جیسا کہ "غمز" میں ہے موقوف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ عقدِ فضولی سے کم مرتبہ کا نہیں اور عقدِ فضولی باطل نہیں ہوتا۔(2)

قال الرضا فی "الجد": اگر بیٹی مجلس عقد میں حاضر نہ ہو تو یہ عقد یقینی طور پر باطل ہے اور ایک گواہ کی موجودگی میں نکاح کیسے صحیح ہوسکتا ہے! یا جب تک نکاح منعقد ہی نہ ہو تو وہ کیسے موقوف ہوسکتا ہے! یا خود عقد کرنے والے (عاقد) کو کیسے گواہ بنا سکتے ہیں! اور اسکے خلاف فقہائے کرام نے صراحت کی ہے اور اگر دو گواہوں میں سے ایک کا عاقد ہونا صحیح مانا جائے تو اس مسئلہ (یعنی باپ نے کسی شخص کو حکم دیا کہ وہ اس کی صغیرہ بچی کا نکاح کردے اسکے وکیل نے باپ کی موجودگی میں ایک مرد یا دو عورتوں کے سامنے نکاح کردیا تو نکاح صحیح ہوگا اور اگر باپ حاضر نہ ہو تو نکاح صحیح نہ ہوگا) میں باپ کے موجود ہونے کی ضرورت نہ رہے حالانکہ اس مسئلہ میں صحتِ نکاح کیلئے باپ کا موجود ہونا ضروری ہے اور اس مسئلہ (یعنی اگر باپ نے اپنی عاقل بالغ بیٹی کا نکاح ایک گواہ کی موجودگی میں کیا تو نکاح صحیح ہوگا، مگر صحتِ نکاح کیلئے اس مجلس عقد میں بیٹی کا حاضر ہونا ضروری ہے ورنہ نکاح صحیح نہ ہوگا) میں لڑکی کے حاضر ہونے کی ضرورت نہ رہے، حالانکہ صحتِ نکاح کے لئے اس مسئلہ میں لڑکی کا حاضر ہونا ضروری ہے؛ لہٰذا اگر دو گواہوں میں سے ایک کا عاقد ہونا صحیح مانا جائے تو اس

---

(1) درمختار، کتاب النکاح، ج۴، ص۱۰۲۔

(2) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج۴، ص۱۰۲۔

قاعدہ کلیہ کو باطل کرنا لازم آرہا ہے جس پر تمام مسائل کی بنیاد ہے اور اسی کا اعتراف علامہ طحطاوی اور علامہ شامی نے بھی کیا ہے۔

{27} **قال العلامة الحصکفی:** اگر ایک شخص نے دوسرے کو کہا کہ ''تو نے اپنی بیٹی مجھے نکاح میں دی؟'' تو دوسرے نے جواب میں کہا کہ ''میں نے نکاح میں دی''، یا ''ہاں'' کہہ دیا تو نکاح نہ ہوگا جب تک ایجاب کرنے والا بعد میں یوں نہ کہے کہ ''میں نے قبول کیا''؛ کیونکہ پہلے کا یہ کہنا کہ ''تو نے اپنی بیٹی مجھے نکاح میں دی''، یہ صرف طلب خبر و استفہام ہے عقد نکاح نہیں ہے،(1) اس کے برخلاف اگر پہلا شخص دوسرے سے یوں کہتا: ''زوجنی'' (تو میرا نکاح کردے) تو عقد مکمل ہوجاتا کیونکہ لفظ ''زوجنی'' توکیل ہے۔(2)

قال العلامة الشامی: جب ہمیں معلوم ہوا کہ نکاح کے منعقد ہونے اور اس حکم کے لازم ہونے میں شریعت نے رضا والے پہلو کا لحاظ کیا ہے تو ہم نے اس پر نکاح کے حکم کو ایسے الفاظ تک پھیلایا جو رضا کے اظہار کا فائدہ دے سکتے ہیں، بشرطیکہ یہ رضا کے خلاف کا مساوی طور پر احتمال نہ رکھتے ہوں، اس لیے ہم نے یہ کہا کہ اگر کسی نے مضارع واحد متکلم کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے یوں کہا: ''میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں'' تو عورت نے اس کے جواب میں کہا: ''میں نے اپنا نکاح کیا'' تو نکاح ہوجائے گا، اگر کسی نے مضارع واحد مخاطب کے صیغہ

---

(1) فائدہ: ''ردالمحتار'' میں ہے کہ ''ھل اعطیتنیھا'' اور ''اعطیت'' سے مجلس نکاح میں نکاح صحیح ہوجاتا ہے اور ''قبلت'' کہنے کی حاجت نہیں تو یہاں نکاح کیوں نہ صحیح ہوا حالانکہ استفہام تو دونوں صورتوں میں ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ وہاں مجلس نکاح کے قرینہ سے استفہام باقی نہ رہا بخلاف اس صورت کے واللہ تعالٰی اعلم۔

(2) درمختار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۱۰۳-۱۰۴۔

کو استعمال کیا اور یوں کہا: ”تو اپنی بیٹی کا مجھ سے نکاح کر دیگا؟“ تو جواب میں دوسرے نے کہا: ”میں نے کر دیا“ جب اس سے وعدہ کا ارادہ نہ ہو تو یہ الفاظ بھی چونکہ رضامندی کا احتمال رکھتے ہیں اس لیے نکاح ہو جائے گا، اسکے بخلاف پہلی صورت میں وعدہ کا احتمال نہیں؛ کیونکہ خود متکلم مضارع کے صیغہ سے اپنی ذات کے بارے میں وعدہ کی خبر نہیں دیتا، جب یہ معاملہ ہے تو اس صورت میں فی الحال نکاح کو قائم کرنا مقصود ہے تو اسی وقت نکاح ہو جائے گا؛ کیونکہ نکاح میں مذکورہ الفاظ سے بھاؤ تو مراد نہیں ہو سکتا، تو ایسے الفاظ سے نکاح کا انعقاد اس لیے نہیں کہ یہ الفاظ نکاح کے لیے وضع ہیں بلکہ اس لیے کہ ان الفاظ کا استعمال مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے کیا گیا اور ان سے رضامندی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ حتی کہ ہم یہ کہیں گے اگر کسی نے ان الفاظ سے صراحۃً استفہام مراد لیا تو پھر حال کا اعتبار کیا جائے گا، "طحاوی" کی شرح میں فرمایا کہ اگر کسی نے دوسرے کو کہا: ”کیا تو نے اپنی بیٹی مجھے دی ہے“ تو دوسرے نے جواب میں کہا کہ ”میں نے دی ہے“ تو اس صورت میں اگر مجلس منگنی ہو تو یہ منگنی ہوگی اور یہ مجلسِ نکاح ہو تو نکاح ہوگا، اھ۔(1)

قال العلامة الشامی: اگر کسی ان الفاظ سے صرحۃ استفہام مراد لیا اور کہے کہ کیا آپ نے اپنی بیٹی مجھے دی دوسرے نے کہا: میں نے اپنی بیٹی آپکو دی اگر مجلس نکاح کی ہو تو نکاح ہو جائیگا اور اگر منگنی کی مجلس ہو تو منگنی ہوگی لہٰذا اس صورت میں صرف یہ الفاظ (یعنی کوئی شخص کہے کہ تو نے اپنی لڑکی کے ساتھ میرا نکاح کر دیا دوسرے نے جواب میں کہا: میں نے نکاح کر دیا) کہنے سے

---

(1) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج۴، ص۸۱-۸۲۔

(2) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج۴، ص۱۰۳-۱۰۴۔

بدرجۂ اولیٰ نکاح منعقد ہونا چاہئے اور ''قبول کیا'' کہنے کی حاجت نہ رہے حالانکہ اس مسئلہ میں ''قبول کیا'' کہنے کی حاجت ہے تو ممکن ہے کہ اس مسئلہ میں دو روایتیں ہوں یا پھر یہ صورت اس پر محمول ہے کہ یہ عقد نکاح کی مجلس میں نہیں ہے۔

قال الرضا فی "الجد": اگر آپ کہیں کہ اس بات پر کثیر نصوص مجتمع ہیں کہ استفہام، ایجاب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، بلکہ اس کے بعد سوال کرنے والے کا قبول کرنا بھی ضروری ہے، یہاں تک کہ فقہائے کرام نے نص بیان فرمائی اس بات پر اس صورت میں جو استفہام کا احتمال رکھتا ہے **فضلا عن حقیقتہ** (چہ جائیکہ اسکی حقیقت کے متعلق)، علامہ قدری آفندی کی کتاب "واقعات المفتین" میں ہے: اگر ایک شخص نے دوسرے کو کہا ''بزنی دادی'' (تو نے اپنی لڑکی مجھے بیوی کے طور پر دی) تو بلخ کے بعض مشائخ نے اسے استفہام قرار دیا ہے اور بعض نے امر قرار دیا ہے، عمر نسفی نے فرمایا: عرف میں امر کا معنی راجح ہے (علامہ قدری آفندی فرماتے ہیں:)

قلت: یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ استفہام سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، اور "شرح طحاوی" میں ہے: ایک شخص نے دوسرے کو کہا: کیا تو نے اپنی لڑکی مجھے دی ہے تو دوسرے نے کہا: میں نے دی تو اگر یہ مجلس نکاح ہو تو نکاح ہوگا اور اگر مجلس منگنی ہو تو منگنی ہوگی، یہ بات زاہدی نے "شرح قدوری" کے کتاب النکاح کے شروع میں بیان فرمائی ہے، اھ۔(1)

اور اسی کی مثل "مجموعۃ الانقروی" میں "شرح قدوری" کے حوالے سے بھی منقول ہے۔(2)

"خلاصہ" و "خزانۃ المفتین" میں فرمایا: ایک شخص نے دوسرے کو کہا: (دختر خویشتن فلانہ مرادہ

---

(1) واقعات المفتین، کتاب النکاح، ص ۱۷۔

(2) فتاویٰ انقرویہ، کتاب النکاح، ج ۱، ص ۳۳۔

بزنی) "تو اپنی فلاں لڑکی مجھے بطور بیوی دے دے" تو دوسرے نے کہا: (دادم) "میں نے دی"، اس صورت میں اگر وہ لڑکی نابالغہ ہو تو اگر چہ وہ پہلا شخص "قبلت" (میں نے قبول کیا) نہ کہے نکاح منعقد ہو جائیگا اور اگر پہلے شخص نے یہ کہا کہ (دادی) "تو نے مجھے دی ہے" تو دوسرے کے (دادم) "میں نے دے دی" کہنے سے نکاح منعقد نہیں ہوگا جب تک پہلا شخص (پذیرفتم) "میں نے قبول کی" نہ کہے، امام سرخسی رحمہ اللہ نے فرمایا: لفظ "دادی" (تو نے مجھے دی) اور "بدہ" (تو مجھے دے دے) برابر ہیں اور اگر یہ کہا جائے: "می دہی" (کیا تو دے گا) تو یہ کوئی بھی حکم نہیں رکھتا۔ (1)

اور "خزانۃ المفتین" میں اسے ان کے اس قول: "وقیل دادی وبدہ سواء" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر سمعانی نے "خزانۃ المفتین" میں "نہایہ" کے حوالے سے "دادی" اور "بدہ" کے درمیان فرق کرتے ہوئے یہ علت نقل کی ہے کہ اسکا قول: "دہ" (تو دے دے) امر وتوکیل ہے اور نکاح میں ایک شخص جانبین سے وکیل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے (یعنی نکاح میں ایک شخص طرفین کا متولی ہو سکتا ہے) اور اسکا قول: "دادی" (تو نے مجھے اپنی لڑکی دی) طلب خبر ہے تو اس سے توکیل ثابت نہیں ہوگی۔ (2)

اور "خانیہ" میں امام ابوبکر محمد بن الفضل کے حوالے سے ہے: جب ایک شخص نے لڑکی کے باپ کو کہا: "تو نے میرا نکاح اپنی بیٹی سے کردیا" تو لڑکی کے باپ نے جواب میں کہا: "میں نے نکاح کردیا" یا جواب میں "ہاں" کہا تو نکاح نہ ہوگا مگر یہ کہ بعد میں پہلا شخص "میں نے قبول کی"

---

(1) خلاصۃ الفتاوی، کتاب النکاح، ج ۲، ص ۴، ملتقطاً۔

خزانۃ المفتین، کتاب النکاح، ج ۱، ص ۵۵۔

(2) خزانۃ المفتین، کتاب النکاح، ج ۱، ص ۵۵۔

کہہ دے تو نکاح ہو جائیگا کیونکہ لفظ "زوجتنی" (تو نے میرا نکاح کر دیا) خبر کے حصول کیلئے ہے عقد نکاح کیلئے نہیں ہے اسکے بخلاف اگر پہلے شخص نے یوں کہا: "زوجنی" (تو میرا نکاح اپنی بیٹی سے کر دے) اور اسکے جواب میں لڑکی کے باپ نے "میں نے نکاح کر دیا" یا "میں نے کیا" کہا تو اب اس شخص کو اسکے بعد "قبلت" (میں نے قبول کیا) کہنے کی ضرورت نہیں عقد کامل ہو گیا ؛ کیونکہ لفظ "زوجنی" توکیل نکاح ہے۔(1) (یعنی: جب مرد نے بیٹی کے باپ سے کہا کہ میرا نکاح اپنی بیٹی سے کر دے تو اس نے اسکو اپنے نکاح کا وکیل کر دیا تو اب "زوجت" (میں نے نکاح کر دیا) کہنا ایجاب وقبول کے قائم مقام ہو گیا؛ کیونکہ نکاح میں ایک شخص طرفین کا متولی ہو سکتا ہے بخلاف بیع کے) اور یہی مسئلہ "خانیہ" کے حوالے سے "ہندیہ" میں اختصار کے ساتھ نقل کیا گیا ہے اور متن ("تنویر الابصار") میں بھی یہی مسئلہ ہے، نیز "خانیہ" میں ہے: ایک شخص نے دوسرے کو فارسی میں کہا: "کیا تو نے اپنی لڑکی مجھے دی" تو جواب میں دوسرے نے کہا: "میں نے دے دی" تو نکاح نہ ہو گا، (2) اسی طرح کتب معتبرہ میں کثیر نقول ہیں۔

قلت: کوئی اس بات کا قائل نہیں ہے اور نہ ہی کسی کے لیے یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ کسی بھی چیز میں استفہام، ایجاب کے قبیل سے ہے لیکن بعض اوقات استفہام ذکر کیا جاتا ہے

---

(1) فتاویٰ قاضی خان، کتاب النکاح، ج ا، ص ۱۵۱۔

(2) المرجع السابق۔

فائدہ: کلام میں اطلاق حقیقی معنی کے لحاظ سے ہوتا ہے اور اگر عام کر دیا جائے تو پھر اس وقت حقیقی معنی مراد لینے کے لیے مجازی معنی (تحقیق عقد) مراد نہ ہونے کی قید ضرور ہوگی۔ یہی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ہنگام ارادہ تحقیق عقد تام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۱، ص ۱۵۶۔۱۵۷)

اور مراد تحقیق ہوتی ہے (جو امر کے معنی کا فائدہ دیتی ہے) استخبار مراد نہیں ہوتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ((فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ)) (مائدۃ:۹۱) ای: انتھو یعنی: کیا تم باز آؤ گے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ باز آؤ۔(1)

تطبیق: جن علمائے کرام رحمہم اللہ نے یہ فرمایا کہ استفہام سے نکاح منعقد نہیں ہوتا تو صحیح فرمایا اور جنہوں نے یہ فرمایا کہ قرینہ تحقیق پائے جانے کے وقت استفہام سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اس طرح کہ مجلس عقدِ نکاح کی ہو تو انہوں نے بھی صحیح فرمایا اور انکے مابین کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ استفہام سے نکاح منعقد ہوتا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جہاں حقیقت استفہام مقصود و مفہوم ہو وہ کلام ایجاب یا قبول نہیں قرار پا سکتا، ہاں اگر صورۃً استفہام اور معنیً تحقیق عقد مستفاد ہو تو ایجاب یا توکیل متصور ہوگا مگر اس کے لئے قرینہ ہونا ضروری ہے جیسا کہ ہر مجاز کا تقاضا ہے، تو اس صورت میں مکمل مذکورہ عبارت کو تحقیق عقد کے معنی پر محمول کرنا کوئی بعید بات نہیں اور اسکی تائید "خزانۃ المفتیین" میں "فتاویٰ ظہیریہ" کے حوالے سے منقول عبارت کرتی ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے سے فارسی میں کہا: "کہ تو نے اپنی لڑکی

---

(1) اقول وباللہ التوفیق: تحقیق مقام یہ ہے کہ استفہام ہنگام ارادہ تحقیق مفید معنی امر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ((فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ)) ای انتھو (کیا تم باز آؤ گے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ باز آؤ) اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ((أَتَصْبِرُونَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا)) ای اصبرو (کیا تم صبر کرو گے۔ اور تیرا رب تعالیٰ بصیر ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ صبر کرو)، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ھل انتم تارکوا لی صاحبی (الحدیث) ای اترکوا (کیا تم مجھے میرے صاحب کے بارے میں چھوڑ و گے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ تم چھوڑ دو) تو "تو نے قبول کیا؟" بمعنی "قبول کر" ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۱۱، ص۱۶۴-۱۶۵)

مجھے دی'' تو دوسرے نے کہا کہ ''دی'' تو نکاح منعقد نہ ہوگا؛ کیونکہ پہلے کا کلام طلبِ خبر اور طلبِ وعدہ ہے؛ لہٰذا اس کلام سے دوسرا پہلے کیلئے وکیل نہ ہوگا مگر یہ کہ پہلے نے اپنے کلام سے تحقیقِ عقد کا معنی مراد لیا ہو تو نکاح ہو جائیگا اور استفہام کے حقیقی معنی استفسار اور منگنی واستخبار مراد ہو تو نکاح نہ ہوگا۔(1)

امام کردری نے "وجیز کردری" میں "خزانۃ المفتین" کی مذکورہ فرع کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے: اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا کہ ''اپنی فلاں بیٹی مجھے دے'' تو دوسرے نے جواب میں کہا کہ ''میں نے دی'' تو اگر لڑکی نابالغہ ہو تو نکاح ہو جائیگا اگر چہ پہلے شخص نے اس کے جواب میں ''میں نے قبول کی'' نہ کہا ہو؛ کیونکہ اسکا ''اپنی لڑکی دے'' کہنا دوسرے کو وکیل بنانا ہے، اور اگر پہلے نے یہ کہا ہو کہ ''تو نے مجھے دی'' تو پھر نکاح نہ ہوگا مگر اس صورت میں کہ جب دوسرے نے ''میں نے دی'' کہا ہو اور پہلے شخص نے اسکے جواب میں ''میں نے قبول کی'' کہا ہو، ہاں اگر پہلے نے ''دادی'' (دی) کے لفظ سے تحقیق عقد کے معنی مراد لئے ہوں تو نکاح منعقد ہو جائیگا، اھ۔(2)

تو آپ غور فرمائیں کہ صاحب "وجیز" نے تحقیق عقد کے معنی مراد لینے کی صورت کو کیسے مستثنیٰ قرار دیا پس یہی تحقیق ہے اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

---

(1) خزانۃ المفتین، کتاب النکاح، ج۱، ص۵۵۔

(2) بزازیہ، کتاب النکاح، ج۴، ص۱۱۰۔ (ہامش علی الفتاوی الہندیۃ)

اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ نکاح اور تزویج کے علاوہ دیگر الفاظ مثلاً: عطاء، ہبہ وغیرہما کنایہ ہیں اور کنایہ کے لئے ایسے قرینہ کا ہونا ضروری ہے جو نکاح پر دلالت کرے اور اسکا مفہوم نفس صیغہ سے مستفاد ہو نہ کہ استفہام سے (1)

"خانیہ" میں فرمایا ہے: جب ایک لڑکے نے لڑکی کے باپ کو کہا کہ "آپ نے اپنی لڑکی مجھے ہبہ کی" تو باپ نے جواب میں کہا: "میں نے ہبہ کی" اسکے بعد پہلے نے کہا: "میں نے قبول کی" فقہائے کرام نے ارشاد فرمایا: اگر منگنی کرنے والے شخص اور باپ نے مذکورہ الفاظ منگنی اور اسکے جواب کے طور پر استعمال کیئے تو نکاح نہ ہوگا اور اگر دونوں کا مقصود ان الفاظ سے عقد نکاح کا ہو تو نکاح لازم ہو جائیگا، (2) "مجموعۃ الانقروی" میں ہے: ترکیوں کے الفاظ "آلدم" اور "یردم" یعنی "اعطیت"، "قبلت"، "اخذت" نکاح کیلئے وضع نہیں کئے گئے ہیں اور عقد نکاح کے لئے ایسے قرینہ کا ہونا لازمی ہے جو اس پر (عقد نکاح پر) دلالت کرے، مثلاً: منگنی، مہر کا ذکر کرنا اور اگر ان کے مابین ان کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ سے نکاح کرنے کا عرف ہے تو عقد نکاح اسی طرح جائز ہے، اس کو صاحب "قدوری" نے "جامع الفتاوی" کے کتاب النکاح میں ذکر کیا ہے، (3) اور "فتاوی انقروی" میں ہے: وہ عقد نکاح جو ترکمان کے مابین انکی اصطلاح اور انکے عرف کے اعتبار سے مشہور ہے کہ ولی، خاطب (نکاح کا پیغام دینے والے) سے کہتا

---

(1) اصل نسخہ میں بیاض ہے۔

(2) فتاوی قاضی خان، کتاب النکاح، الباب الاول، ج۱، ص۱۵۲-۱۵۳، ملخصاً۔

(3) فتاوی انقرویہ، کتاب النکاح، ج۱، ص۳۳۔

ہے: ''یردم'' اور خاطب کہتا ہے'' آلدم'' اس لفظ کے معنی یہ ہیں کہ ''میں نے اپنی بیٹی آپکے اور ہمارے مابین پائی جانے والی طے شدہ شرط پر دی'' اور خاطب کہتا ہے ''میں نے قبول کی'' اور وہ سب اس منگنی اور شرائط پر قائم رہتے ہیں پھر وہ لڑکی کے باپ کے لئے گھوڑا اور لڑکی کی ماں و بہن کے لئے دراہم حاصل کرتے ہیں اور یہ سب کچھ انکا مستقبل میں عقد نکاح کرنے کی شرط پر ہوتا ہے، امام نسفی نے فرمایا: ان مذکورہ الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا اور امام اعظم کے اصحاب علیہم الرحمہ اسی بات کے قائل ہیں اور اسی طرح شمس الائمہ حریری نے فرمایا اور یہی قول امام شافعی کے اصحاب کا ہے،(1) اور "بزازیہ" میں فرمایا: کسی نے گانے والی عورت سے کہا: ''میں نے اپنے آپ کو تجھے دیا؛ کیونکہ تو میری محبوبہ ہے'' اور اس عورت نے بھی یہی الفاظ کہے تو اس کے جواب میں اس شخص نے کہا ''پذیرفتم'' (میں نے قبول کیا) تو اس صورت میں نکاح منعقد نہیں ہوگا جبکہ اس عورت نے یہ الفاظ حکایت کے طور پر کہے ہوں۔(2)

قلت: اگر چہ وہ استفہام ہے لیکن انہوں نے اس سے تحقیق عقد کے معنی کا قصد نہیں کیا ہے اور جب مراد متغیر ہو جائے تو یہ انعقاد نکاح کے ثبوت کے منافی نہیں ہے اور یہ ان کے محاورے میں اس قدر عام ہے کہ اسکا شمار نہیں کیا جا سکتا، مگر "خانیہ"، "خلاصہ" اور "خزانۃ

---

(1) فتاوی النفرویہ، کتاب النکاح، ج ۱، ص ۳۳-۳۴، ملتقطاً۔

(2) بزازیہ، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۱۱۱۔ (ہامش علی الفتاوی الہندیۃ)

المفتین" کی نصوص اس بات پر مجتمع ہیں کہ اگر کسی شخص نے کہا ''میں نے اپنی لڑکی تجھے اس لئے ہبہ کی تاکہ وہ تیری خدمت کرے'' تو اس نے جواب میں کہا کہ ''میں نے قبول کیا'' تو نکاح منعقد نہیں ہوگا، (1) اور اسکے باوجود علامہ شامی نے "ردالمحتار" میں صاحب "بحر" اور علامہ طحطاوی کے حوالے سے فرمایا: اگر اس نے اس سے مراد نکاح لیا ہو تو نکاح ہوجائے گا ورنہ نہیں۔ (2) تو جسے ممارستہ بالفقہ (فقہ میں ذرا سا بھی شغف) حاصل ہواس کے نزدیک یہ نصوص کے مخالف نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ استفہام کا احتمال اور لفظ کا کنایات میں سے ہونا دونوں ہی قرینہ پر موقوف ہونے میں کافی ہیں، پس جہاں صرف استفہام پایا جائے تو توقف لازم آئیگا اور جہاں صرف کنایہ پایا جائے تو پھر بھی توقف لازم آئیگا جیسا کہ میں نے ابھی نقل کیا، تو اس وقت ہر ایک بایراث التوقف (توقف کے سبب بننے کی وجہ سے) منفرد ہوگا اور جہاں دونوں ایک ساتھ پائے جائیں جیسا کہ "ھل اعطیتنیھا" اور "اعطیتنی بنتک" تو تجھے اختیار ہے کہ ایراث (سبب بننے کو) کو ان میں سے جس کی طرف چاہے منسوب کرلے، الغرض حکم یہ ہے کہ اگر منگنی کی مجلس ہو تو منگنی ہوگی اور اگر نکاح کی مجلس ہو تو نکاح ہوگا۔

فان قلت (اگر آپ یہ اعتراض کریں): "ظھیریہ" کا قول جو "بحر" میں منقول ہے اسکا

---

(1) فتاویٰ قاضی خان، کتاب النکاح، الباب الاول، ج۱، ص۱۵۱۔

خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب النکاح، ج۲، ص۳۔

خزانۃ المفتین، کتاب النکاح، ج۱، ص۵۵۔

(2) ردالمحتار، کتاب النکاح، ج۴، ص۹۱۔

کیا مطلب ہوگا کہ اگر کسی نے کہا: ''آپ اپنی بیٹی میرے بیٹے کو ہبہ کر دیں'' تو اس نے جواب میں کہا کہ ''میں نے ہبہ کی'' تو نکاح صحیح نہ ہوگا جب تک لڑکے کا باپ ''میں نے قبول کی'' نہ کہے تو اگر لڑکے کا باپ ''میں نے قبول کی'' کہہ دے تو کسی زائد چیز یعنی قرینہ پر موقوف ہوئے بغیر نکاح منعقد ہو جائیگا۔(1)

قلت: "خلاصہ"، "خزانۃ المفتین" اور "بزازیہ" وغیرہا میں فرمایا: اگر کسی نے عورت کو کہا: ''کیا تو نے اپنے آپ کو مجھے دیا'' تو عورت نے اس کے جواب میں کہا: ''میں نے دیا'' اور اس شخص نے کہا ''میں نے قبول کیا'' تو اس مسئلہ میں مشائخ کا اختلاف ہے،(2) بزازیہ میں ہے: اگر کسی نے عورت سے کہا: ''کیا تو نے اپنے آپ کو مجھے دیا'' عورت نے کہا: ''میں نے دیا'' اور اس شخص نے کہا: ''میں نے قبول کیا'' تو اس میں اختلاف ہے۔ امام صاحب "منظومہ" سے منقول ہے کہ اس کلام کے ساتھ اس کا یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ ''بطورِ بیوی دیا'' تا کہ بالاتفاق نکاح صحیح ہو جائے،(3) اور اسی طرح "ہندیہ" میں "محیط" اور اس میں "مجموع النوازل" کے حوالے سے صاحب "منظومہ" امام نجم الدین نسفی سے منقول ہے: ''اپنی بیٹی مجھے دے'' کے ساتھ یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ مجھے اپنی بیٹی بطور بیوی دے اور یہ بھی ضروری ہے کہ دوسرا

---

(1) بحر الرائق، کتاب النکاح، ج۳، ص۱۴۵، ملخصاً۔

(2) خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب النکاح، ج۲، ص۳۔

خزانۃ المفتین، کتاب النکاح، ج۱، ص۵۵۔

(3) بزازیہ، کتاب النکاح، ج۴، ص۱۰۹۔ (ہامش علی الفتاوی الہندیۃ)

کہے: ''میں نے تجھے بطور بیوی دی'' اگر کلام اس کے بغیر ہوگا تو بعض فقہاء کے نزدیک تو نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن بعض کے نزدیک نہیں ہوگا بہر حال اتنے الفاظ کا اضافہ کر دینا چاہئے تا کہ نکاح سب کے نزدیک بالاتفاق صحیح ہو جائے۔(1)

اور "خزانۃ المفتین" میں بھی "نہایہ" کے حوالے سے اسی طرح ہے۔اور کردری نے "بزازیہ" میں فرمایا: اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''بطور بیوی'' کا اضافہ کئے بغیر بھی عرف کی وجہ سے نکاح منعقد ہو جائیگا۔(2)

تو معترض، نے "ظہیریہ" کا جو قول پیش کیا تھا اگر اسے اسکے اطلاق پر محمول کیا جائے تو وہ "بزازیہ" کے اس قول پر محمول ہے جس کو انہوں نے عرف کی وجہ سے صحیح قرار دیا ہے اور عند التحقیق اختلاف معنی کی طرف راجع نہیں ہوگا کیونکہ اگر عرف یا قرینے کی وجہ سے نکاح کے لئے متعین ہو جائے تو نکاح ہوگا ورنہ نہیں۔ خصوصاً جبکہ دلیل عقدِ نکاح مراد نہ ہونے پر دلالت کرے جیسا کہ ترکمان کے عرف کے حوالے سے گزرا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

{28} قال المرغینانی فی "الھدایۃ": جب کسی عورت نے کسی مرد کو اپنے ساتھ نکاح کی اجازت دے دی تو اس مرد نے اگر دو گواہوں کی موجودگی میں اس سے نکاح کر لیا تو جائز ہے۔اور امام زفر اور شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا ناجائز ہے، اھ۔(3)

---

(1) فتاویٰ ہندیہ، کتاب النکاح، الباب الثانی، ج۱، ص۲۷۱۔

(2) بزازیہ، کتاب النکاح، ج۴، ص۱۰۹۔(ہامش علی الفتاوی الھندیۃ)

(3) ہدایہ، کتاب النکاح، فصل فی الوکالۃ بالنکاح، ج۱، ص۱۹۷۔

قال الرضا فی " فتاواہ ": اقول: (میں کہتا ہوں) اس سے واضح ہو گیا جو "ردالمحتار" میں ہے کہ بالاتفاق ان پانچ صورتوں کا نفاذ جن میں کسی جانب سے خود نکاح کرنے والا فضولی نہ بنے، تو علامہ شامی کا ''بالاتفاق'' کہنا اس سے ان کی مراد صرف امام ابوحنیفہ، امام یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے تمام ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق مراد نہیں ہے۔

قال المرغینانی فی " الھدایۃ ": جب یہ شخص نکاح کی دونوں طرفوں کا ولی ہو تو اس کا یہ کہنا کہ میں نے نکاح کرلیا، ایجاب وقبول دونوں طرفوں کو شامل ہوگا اور اب قبول کہنے کی ضرورت نہیں، نکاح کرلیا، یا نکاح کر دیا کہے دونوں طرح جائز ہے۔(1)

قال الرضا فی " فتاواہ ": عام ازیں کہ یہ شخص وہ لفظ ادا کرے جن میں خود اصیل ہے مثلاً ''تزوجت'' (میں نے نکاح کیا) یا وہ جس میں ولی یا وکیل ہے جیسے ''زوجت'' (میں نے نکاح کر دیا) امام شیخ الاسلام بکر خواہرزادہ کا دوسرے یعنی ''نکاح کر دیا'' کہنے میں اختلاف ہے۔

قال المحقق ابن الھمام فی " فتح القدیر ": شیخ الاسلام خواہرزادہ نے کہا ہے کہ یہ اس وقت جائز ہوگا جب وہ اپنے اصیل ہونے کو تعبیر کرے، یعنی ''میں نے نکاح کیا'' کہے، لیکن اگر اس نے نائب ہونے کو تعبیر کیا اور ''نکاح کر دیا'' کہا تو یہ کافی نہیں، پس اگر اس نے ''فلاں عورت سے نکاح کرلیا'' کہا، تو کافی ہے، اور اگر یوں کہا کہ ''میں نے فلاں عورت کا اپنے ساتھ نکاح کر دیا'' تو کافی نہ ہوگا کیونکہ اس کہنے میں وہ نائب ہے۔ اور "ہدایہ" کی وہ عبارت جو

(1) ہدایہ، کتاب النکاح، فصل فی الوکالۃ بالنکاح، ج۱، ص ۱۹۷۔

(2) فتح القدیر، کتاب النکاح، فصل فی الوکالۃ بالنکاح، ج ۳، ص ۱۹۷۔

ابھی ہم نے ذکر کی ہے وہ اس بات کی نفی میں صریح ہے اور "تجنیس" میں بھی اس کی نفی پر تصریح، "غریب الروایۃ" اور "فتاویٰ صغریٰ" کے حوالے سے کی ہے۔(2)

قال الرضا فی "فتاواہ": قلت: "در" وغیرہ معتبر کتب میں اسی کو معتمد علیہ قرار دیا ہے۔ اور "بحر" وغیرہ نے اس کے خلاف کو ضعیف ظاہر کیا ہے۔(1)

{29} قال فی "الھندیۃ": "ذخیرہ" میں "فتاویٰ ابی اللیث" کے حوالے سے ذکر کیا کہ ایک شخص نے لوگوں کو کہا کہ "گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اس کمرہ میں موجود عورت سے نکاح کیا" اور عورت نے اندر سے جواب دیا کہ "میں نے قبول کیا" گواہوں نے عورت کی یہ بات سن لی اور عورت کو دیکھا نہیں، اگر عورت اس کمرہ میں اکیلی تھی تو نکاح ہو جائے گا۔(2)

قال الرضا فی "فتاواہ": قلت: حجاب مجلس کو تبدیل نہیں کرتا، صرف شرط یہ ہے کہ وہاں عورت اکیلی ہو کیونکہ مرد نے اس کا نام ذکر نہیں کیا جبکہ شبہ کی صورت میں عورت غائبانہ کی پہچان اس کے نام سے ہوتی ہے۔ اور "ہندیہ" میں "محیط سرخسی" سے بھی منقول ہے: کہ اگر وہ نقاب اوڑھے مجلس میں حاضر ہو اور گواہ نام نہ جانتے ہوں تو بھی نکاح جائز ہوگا، یہی صحیح ہے۔(3)

اسی طرح قبول خاطب میں اتنا وقفہ کہ شخص مذکور وہاں سے اُٹھ کر یہاں آیا اور قاضی

---

(1) فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح، ج۱۱، ص۱۱۱-۱۱۲۔

(2) فتاویٰ ہندیہ، کتاب النکاح، الباب الاول، ج۱، ص۲۶۸۔

(3) فتاویٰ ہندیہ، کتاب النکاح، الباب الاول، ج۱، ص۲۶۸۔

(4) فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح، ج۱۱، ص۱۷۰-۱۷۱۔

سے وہ گفتگو ہوئی، گواہیاں لی گئیں، اس کے بعد خاطب سے کہا گیا تو اس نے قبول کیا کچھ مضر نہیں جبکہ مجلس متبدل نہ ہو، کہ قبول، فوراً ہونا ضرور نہیں۔ "ردالمحتار" میں "بحر" سے منقول ہے: لیکن فوراً ہونا ضروری شرط نہیں، اھ۔ (4)

{30} قال فی "الخلاصة" و "خزانة المفتین": نکاح ان الفاظ سے منعقد ہو جاتا ہے: میں نے نکاح کر دیا، تجھے مالک بنا دیا، ہبہ کیا، صدقہ کیا، میں رشتہ لینے آیا ہوں، میں نے اپنا نفس تجھے دیا، فروخت کیا۔ (1)

قال الرضا فی "فتاواہ": اقول وباللہ التوفیق: (میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے کہتا ہوں) فقہ اس میں یہ ہے کہ "جئتک خاطبا" (میں تیرے پاس رشتہ لینے آیا ہوں) کسی خطبہ متقدمہ سے اخبار نہیں بلکہ انشائے طلب وتزوج ہے اور انشائے طلب عین حاصل امر، تو "جئتک خاطبا" بمعنی "زوجنی" (تو میرا نکاح کر دے) ہے۔

والہذا (اور اسی وجہ سے) "بزازیہ" میں ان دونوں کا ایک حکم رکھا، جیسا کہ انہوں نے ذکر کیا کہ ایک آدمی نے آ کر کہا کہ "تو اپنی بیٹی مجھے نکاح کر دے"، یا "میں آپ کے پاس رشتہ لینے آیا ہوں"، یا "میں اس لیے آیا ہوں" کہ آپ مجھے اپنی بیٹی بیاہ دیں، تو باپ نے کہا: "میں نے بیاہ دی"، تو ان الفاظ سے لازمی نکاح ہو جائے گا، اب رشتہ طلب کرنے والے کو قبول نہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ (2)

---

(1) خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب النکاح، ج ۲، ص ۲۔

(2) بزازیہ، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۱۱۱۔ (ہامش علی الفتاوی الہندیۃ)

(3) فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح، ج ۱۱، ص ۱۸۴-۱۸۵۔

اور "زوجنی" الفاظ مفیدہ عقد سے ہے وکیل بناتے ہوئے یا ایجاب کے طور پر دونوں اقوال کے اختلاف پر، اور پہلا یعنی وکیل بناتے ہوئے میرے نزدیک اظہر ہے، جیسا کہ ہم نے اس کو "ردالمحتار" کے حاشیہ پر بیان کیا ہے تو اسی طرح: میں تیرے پاس رشتہ لینے آیا ہوں۔(3)

{31} قال الرضا فی "فتاواہ": "ہندیہ" کا قول جو کہ انہوں نے "خانیہ" سے نقل کیا نکاح کی شرائط میں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ عورت کی رضا، الخ۔(1)

تو ہم نے اس کے حاشیہ پر لکھا ہے جس کی عبارت یہ ہے: یعنی اس کی اجازت قول، فعلِ صریح یا دلالت سے ہو جاتی ہے اگرچہ بطور جبر ہو، اس مقام کی یونہی تفسیر مناسب ہے۔(2)

{32} قال القاضی خان فی "الخانیۃ": اگر کسی مرد نے عربی زبان یا کسی بھی زبان کا ایسا لفظ استعمال کر کے نکاح کیا اور یوں ہی عورت نے ایسا لفظ استعمال کیا کہ جس کا معنی اسے معلوم نہ ہو تو اگر ان دونوں کو ان الفاظ سے نکاح کے انعقاد کا علم ہو گیا تو یہ نکاح سب کے ہاں درست ہے۔(3)

قال الرضا فی "فتاواہ": یوں ہی اگر ناآشنایانِ عربی نے "بعت، اشتریت" بقصدِ بیع وشرا کہا اور جانتے تھے کہ یہ الفاظ عقد بیع کے ہیں ضرور بیع ہو جائے گی اگرچہ

---

(1) فتاویٰ ہندیہ، کتاب النکاح، الباب الاول، ج ا، ص ۲۶۹۔

(2) فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح، ج ۱۱، ص ۲۰۳۔

(3) فتاویٰ قاضی خان، کتاب النکاح، ج ا، ص ۱۵۱۔

(4) فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح، ج ۱۱، ص ۲۲۷۔

تفسیر الفاظ سے ناواقف ہوں کہ بعد علم حکم بقصد حکم ان الفاظ کا تحاور (بات چیت)، دلیل مراضاۃ (باہم رضامندی کی دلیل) ہے اور ایسی مراضاۃ ہی ان عقود میں کفیل اثبات ہے۔ (4)

"ہدایہ" میں ہے: ان عقود میں معنی کا اعتبار ہوتا ہے، اور اسی لیے ہر چھوٹی موٹی چیز کے لین دین کرنے سے بیع منعقد ہو جاتی ہے کیونکہ اس صورت میں رضا ظاہر ہو جاتی ہے۔ (1)

{33} قال التمرتاشی فی "التنویر": نکاح بالاقرار (یعنی اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کا اقرار کرے تو اس صورت میں نکاح کے انعقاد و عدم انعقاد) کے بارے میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اقرارِ نکاح سے مختار مذہب پر نکاح منعقد نہیں ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ اگر اقرار گواہوں کی موجودگی میں ہو تو درست ہے اس صورت میں اس اقرار کو انشاء مانا جائیگا اور یہ ہی قول اصح ہے۔

قال الطحطاوی فی حاشیۃ "الدر": حاصل یہ ہے کہ اقرارِ نکاح سے انعقاد نکاح (نکاح منعقد ہونے یا نہ ہونے) کے بارے میں مذکورہ دونوں قول صحیح ہیں۔ (2)

قال الرضا فی ھامش "الطحطاوی": بلکہ یہاں تیسرا قول بھی ہے جسکی تفصیل "قاضی خان" کے حوالے سے گزر چکی ہے (قاضی خان نے فرمایا کہ اسکے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ اس بات کا اقرار کرے کہ نکاح ہو چکا ہے حالانکہ ان کے مابین پہلے نکاح نہ ہوا ہو تو اس اقرار سے نکاح منعقد نہیں ہوگا اور اگر مرد اس بات کا اقرار کرے کہ وہ عورت اسکی بیوی ہے اور عورت بھی اسی بات کا اقرار کرے کہ وہ اسکا خاوند ہے تو نکاح منعقد ہو جائیگا اور اس صورت میں ان دونوں کے اقرارِ نکاح کو ضمناً انشاء

---

(1) ہدایہ، کتاب البیوع، ج۲، ص۲۳۔

(2) حاشیۃ الطحطاوی علی درمختار، ج۳، ص۴۰۹۔

قرار دیا جائے گا پہلی صورت کے برخلاف کیونکہ اس صورت میں انہوں نے جھوٹ کہا ہے) اور اسے (اسی مسئلہ کو) "فتح القدیر" کے حوالے سے "فتاویٰ شامی" میں نقل کر کے کہا گیا ہے کہ یہ تفصیل حق ہے۔

تطبیق: ان اقوال میں تطبیق یوں ممکن ہے کہ اگر عقدِ ماضی کا اقرار ہے حالانکہ عقد نہیں ہوا تو پھر نکاح منعقد نہیں ہوگا اور اگر ایک دوسرے کے زوج اور زوجہ ہونے کا اقرار ہے تو یہ انشاء شمار ہوگا تو بات ایک ہی ہے، اگر اقرار سے ثبوت ہے تو انعقاد صحیح نہیں اور اگر انشاء کا معنی پایا جاتا ہے تو صحیح ہے۔

ماخذ ومراجع

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	مطبوعہ
1	ہدایہ	برہان الدین علی بن ابوبکر المرغینانی	دار احیاء التراث العربی بیروت
2	درمختار	محمد بن علی المعروف بعلاء الدین حصکفی	دار المعرفہ بیروت
3	ردالمحتار	محمد امین بن سید عمر المعروف با بن عابدین	دار المعرفہ بیروت
4	فتاویٰ قاضی خان (خانیہ)	حسن بن منصور قاضی خان	مکتبہ حقانیہ پشاور
5	بزازیہ (ہامش علی الفتاوی الہندیہ)	بزازی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
6	فتاویٰ ہندیہ	جمعیت علمائے ہند بحکم اورنگزیب عالم	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
7	تبیین الحقائق	عثمان بن علی الزیلعی	دار الکتب العلمیہ بیروت
8	جواہر الاخلاطی	ابراہیم اخلاطی	مخطوطہ
9	بحر الرائق	زین العابدین ابراہیم ابن نجیم	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
10	فتح القدیر	کمال الدین	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
11	خلاصۃ الفتاویٰ	طاہر بخاری	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
12	واقعات المفتین	عبدالقادر بن یوسف	مطبعہ میریہ مصر
13	فتاویٰ انقرویہ	محمد بن حسین انقروی	مکتبہ قاسمیہ کوئٹہ
14	خزانۃ المفتین	حسین بن محمد	مخطوطہ
15	حاشیۃ الطحطاوی علی درمختار	احمد بن اسماعیل الطحطاوی	المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ
16	فتاویٰ خیریہ	خیرالدین بن احمد بن علی الرملی	میر محمد کتب خانہ کراچی
17	کفایہ (ہامش علی فتح القدیر)	جلال الدین الکرلانی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
18	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد حلبی	مکتبہ غفاریہ کوئٹہ
19	مجمع الانہر	شیخ زادہ عبدالرحمٰن بن محمد	مکتبہ غفاریہ کوئٹہ